AUGUST 2022 محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

مظاہر علوم

سہارنپور



جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۸ شمارہ نمبر ۴

محرم ۱۴۴۴ھ اگست ۲۰۲۲ء

زر تعاون

فی شمارہ	۳۰/روپے
سالانہ زرتعاون	۳۰۰ روپے
بیرون ملک سالانہ	۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

◯ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

جہدِ مسلسل کی ضرورت

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ادھر مسلسل کئی سال سے یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ اسلام اور ملک دشمن افراد و جماعتیں کمالِ ہوشیاری سے مسلمانوں کے درمیان مختلف مسائل کھڑے کرکے ان کی تشہیر اور ان پر بحث و مباحثہ کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کردیتی ہیں اور مسلمانوں کا ہر طبقہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے، لمبی لمبی بحثیں، اخبارات و میڈیا پر ان کے سلسلہ میں ایک ہنگامہ، ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ہوڑ میں لگ جاتا ہے اور مسلم امت اپنے اصل اہداف و مقاصد سے کوسوں دور ہوجاتی ہے، حالاں کہ ’’اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا‘‘ کے پیش نظر مسلمانوں کا دائرۂ فکر اور ان کی توجہات کی دنیا بڑی وسیع ہے، طائرِ فکر کی پرواز با مقصد ہونی چاہئے جو کہ مقصود و محمود ہے۔

اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ گذشتہ کئی سال سے ہمارے ملک ہندوستان میں مذہب کے نام پر جس برے انداز میں فرقہ پرستی کو ہوا دی جارہی ہے اور مختلف انداز سے مسلمانوں کو خوفزدہ اور ہراساں کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں وہ ہندوستانی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے، ہندوستان کا نظام جمہوری ہے، یہاں بسنے والے تمام افراد آئینی اور قانونی اعتبار سے مذہبی معاملات میں خودمختار اور آزاد ہیں، لیکن آج جمہوریت اور آئین کو ایک تماشا بنا کر رکھ دیا گیا ہے، ہندوستان میں بسنے والی اقلیتوں خاص طور سے یہاں کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کو جمہوری اور آئینی حقوق سے بے دخل کرنے کی ایک زبردست مہم اور منصوبہ بند طریقہ سے ایک تحریک چلائی جارہی ہے، آزادی کے بعد سے ہر دور میں ایک ذہنیت اس ملک میں ایسی رہی ہے، جو ملکی سالمیت اور تعمیر ملک و وطن کے منافی کردار ادا کرتی رہی ہے اور مسلمانان ہند اُن کی نظروں کا کانٹا بنے رہے، اسی منفی ذہنیت کے افراد ملک میں سیاسی اقتدار حاصل کرکے ایوان حکومت میں پہونچ چکے ہیں، ظاہر سی بات ہے مسلم دشمنی کا جو کام پہلے شخصی، یا علاقائی طور پر انجام دیا جاتا تھا اب وہی

کام حکومتی اور سرکاری سرپرستی میں انجام دیا جارہا ہے اور یہ بات ملک کی سالمیت اور اس کی ترقی اور یہاں کے امن وسکون اور تعمیر وطن کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔

غیر مسلم اور اسلام دشمن افراد و جماعتیں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف برسر پیکار ہیں، آج مسلمانوں کو ہندوستان میں آئینی اور جمہوری تحفظ اس قدر حاصل نہیں ہے جتنا ہونا چاہئے، مسلمانوں کے حقوق کی پامالی ہورہی ہے، آج ہر طرف سے آواز آرہی ہے کہ مسلمان ترقی کی راہ میں بہت پیچھے ہیں، زمانہ کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پارہے ہیں، دقیانوس ہیں، رجعت پسند ہیں اور نہ جانے اس انداز کے کتنے آوازے کسے جارہے ہیں، اس میں ایک طرف تو دشمن کی سازش ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اتنا زہر اگلا جائے کہ انہیں خود اپنے وجود سے گھن آنے لگے، دوسری طرف ''ہم اپنے گھر میں آگ خود لگارہے ہیں'' والا معاملہ ہے، تعلیمی اعتبار سے ہمارا تناسب ملک میں بہت کم ہے حالانکہ علم سیکھنا اور اس کے حصول میں مسلسل کوشاں رہنا اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جزء ہے اس لیے کہ علم کے بغیر انسان اور چوپایوں میں فرق نہیں رہ جاتا، خود فراموشی کے ساتھ انسان خدا فراموشی کا مرتکب ہوتا ہے، اپنے مقصد تخلیق کی معرفت سے محروم رہتا ہے، علم آدمی کو اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے اور اسے اس کی تخلیق کے مقصد حقیقی سے آگاہ کرتا ہے، احکام خداوندی کی مکمل پاسداری کرتا ہے تو دنیاوی فوز وفلاح اس کا مقدر بنتی ہے اور وہ زمانے میں سرخ رو ہوتا ہے، علم، تہذیب وتمدن سے آراستہ کرکے معاشرے کی تعمیر وترقی کا ذریعہ بنتا ہے، اسی لیے اسلامی تعلیمات میں حصول علم کے لئے بے شمار ترغیبی مضامین ملتے ہیں، اور حال یہ ہے کہ دینی علوم کی تحصیل کو آج ہم نے بیکار سی چیز تصور کررکھا ہے، ہمارے ذہن ودماغ اس کی افادیت کو نہیں سمجھ پاتے اور پھر دینی علوم سے بے بہرہ ہوکر صرف دنیاوی علوم حاصل کرنے کی تگ ودو کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عصری علوم کی کچھ شد بد تو ہوجاتی ہے لیکن متاع ایمان واسلام کا ایک بڑا حصہ دینی علوم سے عدم آگاہی کی وجہ سے گنوا بیٹھتے ہیں۔

مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی ترقی کی راہ میں دوسری رکاوٹ ان کی ذاتی بے حسی، جدوجہد کی کمی اور جہالت ہے، اس کی وجہ سے امت میں تعلیمی انقلاب کا جذبہ جس انداز سے ہونا چاہئے وہ حاصل نہیں ہوپارہا ہے۔ تعلیمی اور معاشی پسماندگی دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلم امت خود بیدار ہو، اور اسے اپنا اہم مسئلہ سمجھ کر جدوجہد کرے۔

مسلمانوں میں عصری اور دینی تعلیم کے سلسلے میں ایک خاص ذہنیت کارفرما ہے، مدارس اور کالج کی اس بحث میں کوئی بھی پیچھے ہٹنا نہیں چاہتا۔ عصری تعلیم یافتہ طبقے کو یہ شکایت رہی ہے کہ روایتی مدارس میں

تعلیم پانے والے علماء نہ صرف جدید دور کے تقاضوں سے یکسر بے بہرہ ہیں بلکہ موجودہ ترقی یافتہ یا ترقی پذیر معاشرے سے کٹ کر وہ الگ تھلگ پڑ گئے ہیں۔جدید فنی اور تکنیکی ترقیات سے انھیں نہ واقفیت ہے اور نہ ان سے وہ کسی طرح واسطہ رکھنا چاہتے ہیں۔دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ جدید تعلیم کو حاصل کرنے میں اتنا مصروف ہوجاتا ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی شعار کو ہی کھودیتا ہے،ان کے سامنے صرف دنیا حاصل کرنے اور کیریئر بنانے کی فکر ہوتی ہے،فکرآخرت اور دین کے غلبے کے لئے جدوجہد کرنے کا حوصلہ نہیں پایاجاتا،ان دونوں طبقوں کی پوری صورت حال کا مطالعہ کرنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ دونوں ہی دو الگ الگ انتہا پر ہیں،اس بحث میں الجھنے کے بجائے ہمیں معاشرے کے اہم مسائل کو حل کرنے،اسلام کو غالب کرنے،تعلیمی ترقی اور نئی نسل میں علمی وفکری پختگی پیدا کرنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ملک دشمن عناصر کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور دینی شعور کا پیدا ہونا انتہائی اہم اور ضروری ہے اس لئے کہ تعلیم ایک خاموش انقلاب لاتی ہے اس کے لیے نعروں کی ضرورت نہیں ہوتی،اس کے لیے حکومتی امداد کی بھی ضرورت نہیں،مقامی مسلم آبادی کو متحرک کیا جائے اور انہیں تعلیم وتربیت کی اہمیت بتائی جائے تو یقیناً اتنے وسائل مہیا کئے جاسکتے ہیں جن سے مقامی اسکول وکالج کو چلایا جاسکے،البتہ اس اسکول کا نصاب مغربی تعلیم کا چربہ نہ ہو،بلکہ یہ نصاب اسلامی نظریۂ علم اور اسلامی کلچر پر مبنی ہو،ان اسکولوں میں مسلم طلبہ وطالبات کو نہ صرف صحیح خطوط پر تعلیم دی جائے بلکہ ان کی تربیت بھی کی جائے ،یعنی تعمیر سیرت اور کردار سازی اس کا لازمی حصہ اور نتیجہ ہو،اس سے بڑی تعداد میں ایسے افراد تیار ہونا شروع ہوجائیں گے جو قوم وطن کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ ہونگے،ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے مثبت کردار ادا کریں گے،جو خود اپنی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہوں گے اور اپنے عمل و کردار سے دوسروں کے لئے راہ عمل متعین کریں گے اس طرح سے تعمیر ملک وملت کی فضا ہموار ہوگی،اور اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوں گی،ملک دشمن افراد اور اسلام و مسلمانوں سے پُرخاش رکھنے والی جماعتوں کی تمام تر کوششوں کا دائرہ ازخود سمٹتا جائے گا۔

لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ’’تعلیم‘‘ جس کا مقصد مسلمانوں میں عمل واقدام کی تحریک پیدا کرنا ہے،اسے ہمارے مسلم معاشرے میں محض دنیاوی منافع اور حصولِ زر کا ذریعہ بنادینے

تک محدود کردیا گیا ہے، دینی مدارس کے فضلا ہوں یا سرکاری تعلیمی اداروں کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ کے سند یافتگاں، ہر دو کے فضلا کی جدوجہد اور ساری تگ ودو کا محور صرف متاع دنیا کا حصول اور اس کی خواہش ہی رہ گئی ہے، الا ماشاء اللہ۔

جب کہ ملک وملت کی ترقی کے لئے، اپنے مستحکم وجود کو باور کرانے کے لئے عزم پیہم اور جہدِ مسلسل سے گزرنا ہوگا، یہ داستانِ عزم ووفا بڑی دشوار گزار اور قربانیوں کی متقاضی ہے، جب تک اس مشن کے حامل اور وارث علم وعمل سے مزین ہوکر مخلصانہ اور مشترکہ مساعی بروئے کار نہیں لائیں گے، اس وقت تک انہیں مطلوبہ نتائج کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞۞

ماہ محرم الحرام سے ہجری سال کی ابتداء ہوتی ہے، اس کے علاوہ اس مہینہ کے فضائل اور اس کی برکتیں احادیث وآثار سے ثابت شدہ ہیں، اس ماہ مبارک کی دسویں تاریخ یوم عاشورہ ہے، رمضان کے فرض روزوں سے پہلے یوم عاشورہ کے روزے فرض تھے لیکن رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد یوم عاشورہ کے روزوں کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی لیکن استحباب اب بھی باقی ہے، یہ کوئی حزن وغم اور رنج والم کا مہینہ نہیں ہے، اتفاق ہے کہ نواسۂ رسولؐ سیدنا حضرتِ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما اوران کا پورا خانوادہ کربلا کے میدان میں اسی تاریخ کوشہادت سے سرفراز ہوا، لیکن یہ تو فخر وسعادت کی بات ہے کہ کسی کوشہادت کا درجہ نصیب ہو۔ شہادت اگر رنج وحزن، ماتم وشیون، غم وملال اور سوگ کا موقع ہوتا تو اسلامی تاریخ میں اور بھی مظلومانہ شہادتیں موجود ہیں ان پر بھی حزن وملال اور سوگ منایا جاتا لیکن تاریخ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

دراصل یہ شیعی ذہنیت کی پیداوار ہے، شیعانِ علی کی ذہنی اُپج ہے، شریعت حقہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے، تعزیہ داری، ماتم وشیون اور سوگ منانا یہ سب بدعاتِ قبیحہ کے قبیل کی چیزیں ہیں، صحیح العقیدہ مسلمان ان سے ہمیشہ اجتناب اور پرہیز کرتے آئے ہیں، اسی لیے صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے ادوار میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت فرمائے اور باطل کی فریب کاری سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ واجعل عواقب امورنا خیراً۔

درس قرآن

عظمتِ رفتہ کی بازیابی کا طریقہ

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری
استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

کوئی مسلمان ہو، یہودی ہو، نصرانی ہو، صابی ہو، جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالی پر اور روز قیامت پر اور اچھا عمل کرے ایسوں کے لئے اجر ہے ان کے پروردگار کے پاس اور کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تشریح وتوضیح:

۱- صابیٔ: اہل لغت اس شخص کو صابیٔ کہتے ہیں جو ایک دین سے خارج ہو کر دوسرے دین میں داخل ہو گیا ہو، اسی واسطے اہل عرب مسلمانوں کو صابیٔ کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ آبائی دین (بت پرستی) کو چھوڑ کر ایک نئے دین : اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور اس فرقہ کو صابئین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین موسوی اور دین عیسوی سے نکل کر فرشتوں اور کواکب کی عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔

۲- ضربت علیهم الذلة سے ولاهم یحزنون تک یہود کی تین سزائیں اور چار جرم بیان فرمائے گئے ہیں، پہلی سزا ذلت: ذلت کی ایک صورت بلکہ بڑی صورت محکومیت بھی ہے، دوسری سزا مسکنت، فقر وفاقہ کا تسلط ہے اور تیسری سزا مغضوب ہونا بیان کی گئی ہیں۔

کسی بھی خاندان، قبیلے وقوم کو برتری وسرفرازی دو وجہ سے حاصل ہوتی ہے، تخت شاہی پر براجمان ہونے کے باعث، یا مذہبی مقتدا، ورہنما ہونے کی حیثیت سے، اور یہود کو یہ دونوں حیثیتیں حاصل تھیں، اس لئے یہود (بنی اسرائیل) اپنے زمانہ میں دنیا کی سب سے معزز قوم تھی، کل انبیاء کی نصف تعداد ان ہی

میں مبعوث ہوئی اس لئے اقوام عالم کے وہ مذہبی مقتدا ٹھیرے، سلطنت وملوکیت کے لحاظ سے بھی انھیں مرکزیت ومرجعیت حاصل رہی کیونکہ جتنے امراء وسلاطین ان کے قبیلے وخاندان سے ہوئے کسی دوسرے سے نہیں یہ جزئی فضیلت اقوام عالم میں کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی **إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَ جَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَ آتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِين المائده، (لَمْ يَجْتَمِعْ لِقَوْمٍ الْمُلْكُ وَالنُّبُوَّةُ كَمَا جُمِعَ لَهُمْ، مفاتيح الغيب)**۔

مگر سنت الٰہیہ ودستور خداوندی ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ قوم جب ایمان کے بجائے کفر، انقیاد وطاعت کی جگہ فسق وفجور، سر افگندگی کی بجائے سرکشی، شکر وقدردانی کے بجائے ناقدری وناشکری، کی راہ اپناتی ہے تو اسے اقتدار سے بے دخل کر دیا جاتا ہے، کشور وسلطانی کا تاج اس قوم سے چھین لیا جاتا ہے، مقتدیٰ کی بجائے مقتدی بنا دیا جاتا ہے، شاہانہ کروفر سے محروم کر کے ذلت ورسوائی، نکبت وافلاس اس کا مقدر بنا دیا جاتا ہے۔

یہود بے بہبود کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی بے ایمانی، بدعملی، فسق وفجور کے باعث اقتدا سے محروم کر کے حاکم کے بجائے محکوم بنا دیا گیا، فقر وفاقہ، غربت وافلاس میں مبتلا کیا گیا، جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے فقر قلبی اور اس کے اثرات یعنی حرص وبخل مراد ہے، اور یہودیوں میں یہ دونوں بیماریاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، حرص بھی ہے کہ دولت جمع کرنے کی دھن سوار ہے اور اس کے لئے ہمیشہ نت نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں، معاشرے میں اس سے خواہ کتنا ہی بڑا فساد اور بگاڑ پیدا ہو، بس ہمیشہ ننانوے کے پھیر میں رہتے ہیں۔

بخیل بھی ہیں کہ کسی کو ایک حبہ دینے کو تیار نہیں اور ظاہر سی بات ہے جو خود ہی ننانوے کے پھیر میں رہے گا وہ کسی دوسرے کو کیا دے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہود خدا کے معتوب ومغضوب بھی ٹھیرے۔

آیت شریفہ میں ان کے چار جرم بھی بیان کئے گئے (۱) کفر بآیات اللہ جس سے مراد توحید کی مخالفت ہے (۲) قتل انبیاء جو تصدیق رسالت کی ضد ہے (۳) عصیان وتمرد جس میں ورع وتقوی کی مخالفت ہے۔ (۴) اعتداء جس سے مراد گناہوں کی عادت۔ (۵) تجاوز عن الحدود، میں اعتدال کی مخالفت ہے۔

کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ ان جرائم اور سزاؤں کے بعد یہودی توبہ کر کے اگر اچھا عمل کریں تو شاید اب تو اس کی توبہ بھی مقبول نہیں، فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں جو یہودی بھی صدق دل سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے اور ایک یہودی کی ہی کیا بات ہے اللہ تعالی کی رحمت ومغفرت کی راہیں سب کے لئے کھلی ہوئی ہیں، کوئی

بھی ادیان باطلہ کو چھوڑ کر، سابق دین سے توبہ کرے تو سب کی توبہ مقبول ہے۔اس کو اس طرح بیان فرمایا: جو لوگ زمانۂ فترت میں سابق انبیاء پر ایمان رکھتے تھے، جیسے قُس بن ساعدہ، بحیرا راہب، ورقہ بن نوفل، ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیرہ اور جو یہودی، نصرانی، صابئ، ان میں سے جو بھی اپنی شریعت و شرارت، چھوڑ کر، کفر اور سابق دین سے تائب ہو کر آخری نبیؐ کے زمانہ میں اللہ، یوم آخرت، اور آخری نبیؐ پر ایمان لائے اور اچھے عمل کرے، وہی دارِ آخرت وحیاتِ ابدی کا مستحق ہے اور خدا کے یہاں اس کے لئے ثواب ہے۔

پیغام: قرآن کریم میں بنی اسرائیل و یہود کا تذکرہ جتنی کثرت کے ساتھ آیا ہے اتنا کسی اور قوم کا نہیں، بقول مفسرین بنی اسرائیل اور امت محمدیہ میں بہت کچھ مماثلت ومشابہت ہے، بنی اسرائیل ابتداء میں کمزور تھے پھر بفضل الٰہی اللہ تعالی نے طاقت وقوت سے نوازا، مسلمان بھی مکہ کے ابتدائی زمانہ میں کمزور تھے، بعدہ اللہ تعالی نے زور وقوت سے نوازا۔

اللہ رب العزت نے اقتدا سے نوازنے کے بعد بنی اسرائیل کو محروم کر دیا یہی سب مسلمانوں کے ساتھ ہوتا رہا اور ہو رہا ہے، یکے بعد دیگرے بہت سے مسلم ممالک بتدریج مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں، جن ممالک میں مسلم حکمراں ہیں تو اکثر ان میں سے صرف نام کے ہیں اصلاً وہ دوسروں کے ماتحت ومحکوم ہیں اور محکومیت کی ذلت باستثنائے چند تمام مسلم ممالک پر مسلط ہے۔

اور جس طرح یہود پر فقر وفاقہ مسلط کیا گیا اسی طرح آج کا مسلم بھی انفرادی واجتماعی طور پر اس کے زد میں ہے، کساد بازاری، مندی، بے روزگاری، فقر وفاقہ، غربت وافلاس کا شکار شاید سب سے زیادہ مسلم ہی ہیں، اور مسلم ممالک اپنے کثیر قدرتی وسائل کے باوجود زبوں حالی کا شکار ہیں، ان تمام حالات سے نمٹنے و نکلنے اور عظمتِ رفتہ کی بازیابی کا قرآن کریم نے یہود کے لئے جو نسخہ (ایمان وعمل صالح والا) تجویز کیا ہے وہی نسخہ اس امت کے لئے بھی ہے، اس لئے امت کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالی پر کامل ایمان اور اس کی ذات پر محکم یقین رکھتے ہوئے اعمالِ صالحہ میں مشغول رہیں۔

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہے یہ مردوں کی شمشیریں

انوارِ حدیث

محبوبِ رسولِ خدا

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

قالت عائشة: لا ينبغي لأحد أن يُبْغِضَ أسامةَ بعدَ ما سمعتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يقول: من كان يحبُّ اللهَ عزَّ و جلَّ و رسولَهُ فَلْيُحِبَّ أسامةَ (مسند أحمد ۱۵۶/۶، رقم ۲۵۲۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کسی کے لئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا مناسب نہیں ہے میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سننے کے بعد کہ جو اللہ عزوجل اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ اسامہ سے محبت کرے۔

نام ونسب

اسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی، آپ کی کنیت ابومحمد ہے، اور اس کے علاوہ ابوزید، ابو یزید، اور ابوخارجہ بھی آپ کی کنیت کے بارے میں کہا گیا ہے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی اور مولی کے فرزند ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور محبوب کے فرزند ہیں، حضرت اسامہ کی حیثیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گھر کے ایک فرد کی سی تھی، آپ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اسی لئے ان کو "حِبُّ رسول اللہ" (محبوبِ رسولِ خدا) کا لقب ملا۔

حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن جن کا نام برکۃ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اور مولاۃ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے والد کی آزاد کردہ) تھیں۔

ولادت اور نشو ونما

حضرت اسامہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، وہیں پروان چڑھے، اور اسلام کے سوا نہ کوئی دین جانا اور نہ

اپنایا اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی تو آپ اور آپ کے والدین بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے۔

نکاح اور اولاد

ابوبکر بن عبداللہ بن ابی جہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ سے محبت فرماتے تھے، چنانچہ جب ان کی عمر چودہ سال ہوئی اور وہ بالغ ہوگئے تو انھوں نے زینب بنت حنظلہ بن قُسامہ نامی ایک عورت سے شادی کی پھر اسے طلاق دیدی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: کون ہے؛ جسے میں خوبصورت اور کم کھانے والی عورت کا پتہ بتاؤں اور میں اس کا سسرالی رشتہ دار رہوں گا، اور پھر آپ نعیم بن عبداللہ النحّام کی طرف دیکھنے لگے، تو نعیم نے کہا: اے اللہ کے رسول! گویا آپ میرا ارادہ فرمارہے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں، تو نعیم نے اس عورت سے شادی کرلی (طبقات ابن سعد ۴/ ۷۲)

محمد بن السائب کلبی فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید نے ہند بنت الفا کہ مخزومیہ سے شادی کی اور دُرّہ بنت عدی بن قیس سے نکاح کیا، جس سے محمد اور ہند پیدا ہوئے، نیز فاطمہ بنت قیس فہریہ سے نکاح کیا جس سے جبیر، زید اور عائشہ پیدا ہوئے اور ام الحکم بنت عتبہ بن ابی وقاص سے اور ابوحمدان السہمی کی بیٹی سے نکاح کیا اسی طرح بنو عذرہ کی ایک خاتون برزہ بنت ربعی سے شادی کی جس سے حسن اور حسین پیدا ہوئے۔

محمد بن عمر واقدی فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ کی اولاد (لڑکے اور لڑکیوں) کی تعداد کسی زمانہ میں بیس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ۴/ ۷۱-۷۲)

فضائل ومناقب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بلند مقام و مرتبہ کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ عزوجل اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہو اسے اسامہ سے محبت کرنی چاہئے۔

اب آپ خود ہی سوچیں کہ کون ایسا مسلمان ہوگا جس کو اللہ ورسول سے محبت نہ ہو، لہٰذا تمام مسلمانوں کو حضرت اسامہ سے محبت کرنی چاہئے۔

حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور حضرت حسن کو پکڑ کر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللهم إني أُحِبُّهما فأَحِبَّهُما اے اللہ! مجھے ان دونوں سے محبت ہے لہٰذا آپ بھی ان دونوں کو اپنا محبوب بنا لیجئے۔

اسی طرح حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھا لیتے اور حضرت حسنؓ بن علیؓ کو اپنی دوسری ران پر، پھر ہمیں اپنے جسم سے لگاتے اور یہ دعا فرماتے: **اللهم ارْحَمْهُمَا فإني أرحَمُهُما** اے اللہ! ان دونوں پر مہربانی فرما کیونکہ میں ان دونوں پر مہربانی کرتا ہوں، (طبقات ابن سعد ۴/ ۶۲)

حضرت اسامہ کو مدینہ آتے ہی چیچک نکل آئی تھی، اس وقت وہ بچے تھے، ان کی ناک ان کے منھ پر بہہ رہی تھی، یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کو گھن آئی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کا چہرہ دھونے لگے اور ان کو بوسہ دینے لگے تو حضرت عائشہؓ نے کہا بخدا میں انھیں اس کے بعد کبھی دور نہیں کروں گی۔

حضرت فاطمہؓ حضرت اسامہ کے چہرہ سے کچھ پونچھ رہی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ ان کو اس سے اذیت محسوس ہو رہی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور حضرت فاطمہ کو ڈانٹا تو وہ کہنے لگیں کہ اب میں ان کی وجہ سے کبھی اذیت محسوس نہیں کروں گی۔ (مغازی الواقدی ۲/ ۴۷۹)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت اسامہ (جب بچے تھے) کو گھر کی چوکھٹ سے ٹھوکر لگی جس کی وجہ سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خون وغیرہ صاف کرنے کو کہا، مجھے اس سے گھن آئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے چہرہ سے خون چوس کر تھوکنے لگے، پھر فرمایا کہ اگر اسامہ لڑکی ہوتے تو میں انھیں زیور پہناتا اور اچھے کپڑے پہناتا یہاں تک کہ انھیں سجا سنوار کر ایسا بنا دیتا کہ ان سے نکاح کے طلب گار بہت ہو جاتے۔ (ابن ماجہ ص: ۱۴۲)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کی ناک کی ریزش صاف کرنی چاہی تو حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ مجھے چھوڑ یئے (اجازت دیجئے) کہ یہ کام میں کر دیتی ہوں، آپ نے فرمایا اے عائشہ! تم ان سے محبت کرو، کیوں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ (ترمذی ۲/ ۲۲۲)

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ حضرت عائشہ کے ہم عمر تھے۔ (سیر أعلام النبلاء ۲/ ۵۰۱)

پیغام

دینی تعلیم: ضرورت واہمیت

: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

کسی بھی مذہب اور فکر وعقیدہ کے لئے تعلیم کی حیثیت شہ رگ کی ہے، اگر کسی قوم کو اس کے دین سے محروم کرنا ہو تو اس کے دینی تصورات سے اس قوم کا علمی رشتہ کاٹ دیجئے، یہ چیز خود بخود اس قوم کو اپنے مذہب سے بے گانہ بنا دے گی، اس کے لئے پنجہ آزمائی کی ضرورت پڑے گی اور نہ معرکہ آرائی کی، یہ کسی قوم کو فکری اور مذہبی اعتبار سے قتل کرنے کا ایسا کامیاب اور بے ضرر نسخہ ہے کہ بقول شاعر:

دامن پہ کوئی چھینٹ ، نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو !

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے ساتھ یہی طرز عمل اختیار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، انگریز جب ہندوستان میں آئے، تو انھوں نے بھی یہ ناکام کوشش کی؛ چنانچہ لارڈ میکالے جب فورٹ ولیم کالج قائم کرنے کے بعد برطانیہ واپس گئے، تو انھوں نے برطانوی دارالعوام میں اپنے اس منصوبہ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا: ’’میں ہندوستان میں ایک ایسے ادارہ کی بنیاد ڈال کر آیا ہوں کہ اس کی وجہ سے ہندوستان میں رہنے والے رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی رہیں گے؛ لیکن اپنی فکر اور ذہن ودماغ کے اعتبار سے انگریز بن جائیں گے‘‘ چنانچہ اس ملک کے دردمند علماء نے اس حقیقت کو محسوس کرلیا اور انھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی مدارس اور مکاتب قائم کرکے اس بات کا انتظام فرمایا کہ اس ملک میں بسنے والے مسلمان گو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں؛ لیکن وہ دل ونگاہ کے اعتبار سے ’’حجازی‘‘ بنے رہیں اور پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نبوت ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے۔

مسلمانوں نے اس جذبہ کے ساتھ جنگ آزادی میں شرکت کی کہ وہ اس ملک کے مالکوں میں ہوں گے، اس ملک میں ان کا مذہب، ان کی تہذیب اور ان کی زبان محفوظ رہے گی؛ لیکن بدقسمتی سے انگریزوں نے اس ملک میں فرقہ پرستی کا بیج بویا اور اس شجر خبیث کو اتنا تناور کر دیا کہ آزادی کے بعد بھی اس کی جڑیں پھیلتی رہیں

اور آج تو فرقہ پرست طاقتیں بام اقتدار پر پہنچ چکی ہیں، جہاں مسلمانوں کو اس ملک میں معاشی طور پر پس ماندہ، سیاسی اعتبار سے مفلوج و بے اثر اور جان و مال کے اعتبار سے غیر محفوظ وغیر مامون کرنے کی کوششیں کی گئیں، وہیں مسلمانوں کی تہذیب پر بھی یلغار کی گئی اور کوشش کی گئی کہ تہذیبی اعتبار سے ان کا ہندوکرن کر دیا جائے اور اس بات کی بھی بھرپور کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب اور عقیدہ سے دور کر دیا جائے؛ تا کہ ایک دونسل کے بعد وہ مذہبی شعور سے پوری طرح محروم ہو جائیں۔

اس وقت مسلمانوں کا معمولی سا تغافل بھی ان کے ملی وجود اور بقا کے لئے زبردست خطرہ ہے، فرقہ پرست طاقتیں اس مقصد کے لئے دوطرفہ حملہ کر رہی ہیں، ایک طرف سرکاری درس گاہوں کے نصاب میں ایسی تبدیلیاں لائی جارہی ہیں جو ایک سیکولر ملک کے بجائے خالص ہندو تصورات پر مبنی ملک کی نمائندگی کرتی ہوں، ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کے حالات، ہندو فکر وعقیدہ کی وکالت اور ہندو تاریخ کی عظمت اور تفوق کا اظہار، مسلم حکمرانوں کے مفروضہ ظلم و جور کا بیان، یہاں تک کہ بعض اوقات خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر حرف گیری اس ''بھگوا نصابِ تعلیم'' کی فکری بنیادیں ہیں ''وندے ماترم'' اور ''سرسوتی وندنا'' اقلیتوں کو مشرکانہ تصورات سے مانوس کرنے کی ناپاک کوشش ہے۔ دوسری طرف دینی مدارس کے نظام میں دخیل ہونے اور ان اداروں کو بدنام کرنے کی کوششیں بھی جاری ہیں، بہار میں مدتوں پہلے گورنمنٹ نے دینی مدارس کے نصابِ تعلیم میں معمولی ترمیم کی شرط پر اعانت دینے کی پیش کش کی تھی اور اس کے لئے ''بہار مدارس اکزامنیشن بورڈ'' کی بنیاد رکھی تھی، ریاست کے وہ مخلص بزرگ علماء جو حالات کی نبض پہ انگلی رکھتے تھے، انھوں نے مدارس کو اس سرکاری بورڈ میں شریک ہونے سے روکنے کی بڑی کوششیں کیں؛ لیکن سرکاری اعانتوں کی پیش کش نے اکثر اربابِ مدارس کے قدم ڈگمگا دیئے اور انھوں نے اس کو ایک ''نعمتِ غیر مترقبہ'' سمجھ کر بے تحاشہ الحاق کرانا شروع کیا، گورنمنٹ نے بتدریج ان مدارس کے نصاب اور نظام میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ اب ان کو دینی درس گاہ کہنا ایک تہمت سے کم نہیں اور افسوس کہ ان کو ایک معیاری عصری درس گاہ بھی نہیں کہا جاسکتا، اسی قسم کی کوشش مشرقی اتر پردیش میں بھی شروع ہوئی اور کسی قدر تاخیر سے سہی؛ لیکن اب وہاں بھی اس کا اثر محسوس کیا جارہا ہے، جو دینی مدارس حکومت کے زیر اثر نہیں ہیں اور اس کے عمل دخل سے آزاد ہیں، ان کو بدنام کرنے اور ان کی تصویر مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، کبھی اس کو ''آئی، ایس، آئی'' کا مرکز قرار دیا جاتا ہے، کبھی

ان مدارس کی طرف دہشت گردی کو منسوب کیا جاتا ہے، کبھی ان کے مالی وسائل کے بارے میں شکوک وشبہات ظاہر کئے جاتے ہیں، تاکہ خاص طور پر غیر مسلم بھائیوں کا ذہن ان اداروں کے بارے میں مسموم ہو جائے۔

ان حالات میں دینی تعلیم کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے، دینی تعلیم حاصل کرنے کے دو درجے ہیں :ایک تو اتنی تعلیم جو ہر شخص کے لئے ضروری ہے، یہ دین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہے، توحید اور شرک کی حقیقت، نبوت و وحی کا اسلامی تصور، انبیاء اور بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ضروری حالات، پاکی و ناپاکی، نماز، روزہ، حج وزکوۃ اور قربانی کے بنیادی احکام، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، ملازمت اور نوکری، کسبِ معاش کے حلال وحرام طریقے، شریعت کی حرام کی ہوئی چیزوں وغیرہ سے متعلق ضروری مسائل، صحابہ اور صحابیات کی مبارک زندگیوں سے متعلق بنیادی معلومات، والدین، اولاد، میاں بیوی اور اعزہ واقرباء سے متعلق حقوق، شب وروز کئے جانے والے افعال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور مسنون وماثور اوراد واذکار، یہ وہ امور ہیں جن کے بارے میں جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے، مرد ہوں یا عورت اور جوان ہوں یا بوڑھے، اس مقصد کے لئے جگہ جگہ دینی مکاتب اور بالغوں کے لئے دینی تعلیم کے مراکز قائم کرنے کی ضرورت ہے، کوشش کرنی چاہئے کہ کوئی محلہ اور کوئی مسجد ایسے مکاتب اور مراکز سے خالی نہ ہو؛ بلکہ بچوں اور بچیوں کے اسکول کے اوقات کے لحاظ سے صباحی اور مسائی دونوں طرح کے مکاتب ہوں اور کوشش کی جائے کہ محلہ کا کوئی بچہ اور دین سے ناواقف کوئی نوجوان ایسا نہ رہے جو اس نظام سے فائدہ نہ اُٹھائے۔

لیکن دوسری ضرورت ایسی درس گاہوں کی ہے، جہاں قرآن وحدیث، کلام وعقیدہ اور سیرت نبوی سے متعلق اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو اور اسلام کو اصل مآخذ سے سمجھنے اور سمجھانے کی غرض سے عربی زبان وادب میں بصیرت کا سامان فراہم کیا جاتا ہو، بحمد اللہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں ایسے مدارس موجود ہیں، یہ اسلام کی فکری سرحدوں کے محافظ ہیں، ان ہی درس گاہوں سے نکلنے والے فضلاء نے ہر عہد میں اسلام کے خلاف اُٹھنے والی فکری شورشوں کا مقابلہ کیا ہے۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد مسیحی پادریوں اور مبلغوں کا ایک سیلاب سا اُمڈ آیا، دیہات دیہات یہ مبلغین پہنچتے، بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے اور مناظرہ کا چیلنج دیتے، یہ انھیں مدارس کے فیض یافتہ حضرات علماء ہیں جنھوں نے ان سے پنجہ آزمائی کی اور اسی دور میں ایک ہندوستانی عالم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے عیسائیت کے رد میں ''اظہار الحق'' کے نام سے ایک ایسی کتاب

تالیف کی کہ اس موضوع پر کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور ہندوستان سے مصر و ترکی تک مشہور عیسائی مناظر پادری فنڈر کا تعاقب کر کے اس کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا، پھر جب آریہ سماجی تحریک اُٹھی اور اس نے شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی کوششیں شروع کیں، تو یہ علماء ہی تھے جو اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فتنہ کا ایسا علمی اور تبلیغی تعاقب کیا کہ ان کی ناپاک کوششیں ذرا بھی بارآور نہ ہو پائیں۔

اسی طرح جب انگریزوں کی شہ پر پنجاب کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر حملہ کیا اور جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا، تو یہی علماء تھے جنھوں نے اُمت کو اس عظیم فتنہ سے بچانے کی سعی کی اور پورے برصغیر میں اپنی مجاہدانہ کوششوں سے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائی، اسی طرح انکارِ حدیث کا فتنہ اُٹھا، مستشرقین نے اسلام کے بارے میں تشکیکی مہم چلائی، تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل کے قلوب میں ان کے مذہب کے تئیں شکوک وشبہات کے کانٹے چبھو دیئے جائیں، ان ہی مدارس کے فضلاء نے ان سازشوں کے مقابلہ کے لئے لوح وقلم کی امانت سنبھالی اور وقت کے اُسلوب میں ان کا رد فرمایا، پھر جب ماضی قریب میں شریعت اسلامی کو فکری اور عقلی حملوں کا نشانہ بنایا گیا اور مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی کوشش کی گئی، تو پورے ملک میں ان مدارس کے تعلیم یافتہ اور پرداختہ فضلاء نے ایک تحریک کی شکل میں "مسلم پرسنل لاء" کے تحفظ کا بیڑہ اُٹھایا اور مسلمانوں میں اس مسئلہ پر شعور پیدا کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کی حفاظت وصیانت میں دینی مدارس کا اتنا نمایاں اور اہم کردار ہے کہ کسی حقیقت پسند کے لئے اس سے انکار ممکن نہیں؛ اسی لئے اُمت میں ایک ایسے طبقہ کا وجود ضروری ہے، جو اسلام کا تحقیقی اور کتاب وسنت کا تفصیلی علم رکھتا ہو، اپنے عہد کے فکری اور فقہی مسائل کو حل کرنے کا اہل ہو، نیز اسلام کے خلاف اُٹھنے والے علمی وفکری فتنوں کا مقابلہ کر سکتا ہو اور ہر دور میں اس دور کی زبان اور طریقۂ استدلال کی رعایت کے ساتھ اسلام کی ترجمانی کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ ہر خاندان میں ایسا ایک عالم موجود ہو؛ لیکن جب مدینہ میں ۸۰/ اشخاص نے اسلام قبول کیا تو آپ انے ان کی تربیت کے لئے حضرت معصب بن عمیرؓ کو بھیجا، اس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم ہر اسّی مسلمان پر ایک عالم ہونا چاہئے، اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ علماء کی تعداد ایک فیصد بھی نہیں، بیس کروڑ کی مسلمان آبادی میں اگر ایک فیصد بھی عالم ہو، تو ان کی تعداد بیس لاکھ ہونی چاہئے؛ لیکن پورے ملک میں علماء کی تعداد شاید دو لاکھ بھی نہ ہو، گویا مسلم آبادی میں ان کا تناسب ایک فی ہزار بھی نہیں!

لمحۂ فکریہ

ہندوستانی مسلمانوں کی نئی صبح کا آغاز کب اور کیسے؟

مولانا امداد الحق بختیار
استاذ حدیث وعربی ادب جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

ہندستان اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایک ایسا ملک ہے، جہاں مختلف مذاہب، تہذیبوں اور الگ الگ زبان بولنے والے انسانی طبقات ہزاروں سال سے رہتے ہوئے آئے ہیں، یہ ایک چمن کی طرح ہے، جس میں بھانت بھانت کے پھول ہوتے ہیں، یہ "قوس قزح" کی طرح ہے، جس کی خوبصورتی مختلف رنگوں سے مل کر نمایاں ہوتی ہے، یہ ملک کثرت میں وحدت کا حسین منظر پیش کرتا ہے، یہاں مسجد کے میناروں سے اذان کی صدائیں بھی گونجتی ہیں اور مندر سے پوجا کے گیت بھی سنائی دیتے ہیں، یہاں چرچ بھی آباد ہیں اور گردوارے بھی شاداب ہیں۔محبت، اخوت اور بھائی چارگی یہاں کی قوم میں قدر مشترک وصف پایا جاتا ہے۔

لیکن پچھلے چند سالوں سے اس امن ومحبت کی فضاء میں نفرت کا زہر گھول دیا گیا ہے، ایک ہی رنگ میں پورے ملک کوزبردستی رنگنے کی کوشش کی جارہی ہے، اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کونشانہ بنایا جارہا ہے، مسلمانوں سے منسوب ایک ایک چیز کو مٹانے اور ان کی شبیہ خراب کرنے کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے، مسلمانوں کی تہذیب اوران کا پرسنل لا کانٹے کی طرح ان کی آنکھوں میں چبھ رہا ہے، کبھی طلاق پر، کبھی حجاب پر، کبھی اذان تو کبھی مساجد کے وجود پر ہی حملہ ہو رہا ہے، مسلمانوں کے ایک ایک امتیاز کوختم کرکے انہیں "ہندوانے" کی منظم سازشیں ہو رہی ہیں۔

تعلیمی، اقتصادی اور معاشی طور پر مسلمانوں کی کمر توڑی جا چکی ہے، پورے پلان کے ساتھ انہیں حاشیے پرلانے اور بے قیمت شہری، دوسرے الفاظ میں غلام بنانے کی پوری کوشش کی جارہی ہے، ایک

شہری ہونے کی حیثیت سے ملک ہندوستان میں ان کے جتنے حقوق ہو سکتے ہیں، ایک ایک کر کے سب سے محروم کرنے اور مفلوج بنانے کی منصوبہ بندی جاری ہے۔

ایسی تکلیف دہ صورت میں ہر مسلمان کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ ان بدترین حالات سے کیسے نکلے، یہ خوفناک اندھیرا کب ختم ہوگا اور ایک نئی صبح کا آغاز کب ہوگا؟

اس اہم سوال کے جواب کے لیے مسلمانوں کو دو طرح سے اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے : ایک یہ کہ انہوں نے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسلام کے تقاضوں کو کتنا پورا کیا اور اپنی اسلامی ذمہ داری کس حد تک ادا کی؟ دوسرے یہ کہ ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے آزادی کے بعد سے انہوں نے کس طرح کی زندگی گزاری؟

پہلے ہم دوسرے سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کے بعد سے بتدریج ہمارے اندر لاپرواہی، بے شعوری اور غفلت بڑھتی چلی گئی ہے، ملک کے انتظامی شعبوں میں ہماری نمائندگی کم سے کم تر ہوتی گئی، تعلیم کی طرف ہم نے ایک رسم سے زیادہ توجہ نہیں دی، ہم نے ہمیشہ اپنے حقوق دوسروں کے سہارے مانگنے کی کوشش کی ہے، کبھی خود اپنے آپ کو اس لائق بنانے کی طرف توجہ نہیں کی، آج صورت حال یہ ہے کہ ملک کے کسی بھی انتظامی اور خدمت کے شعبہ میں ہماری نمائندگی آٹے میں نمک کے برابر رہ گئی ہے، ہم اپنی بچیوں کو صرف شادی کے لیے مڈل اسکول تک پڑھاتے ہیں، اپنے بچوں سے وقت سے پہلے کمانے اور پیسے دینے کی خواہش اور طلب رکھتے ہیں، اہل ثروت کے کچھ بچے پڑھتے بھی ہیں تو وہ بھی قوم، ملت اور ملک کی خدمت کا جذبہ نہیں رکھتے، یا تو خاندانی روایات کے مطابق صرف تعلیم مقصود ہوتی ہے یا کوئی پرکشش جاب۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں منظم اور منصوبہ بند تعلیم کا کوئی سسٹم نہیں ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر علاقہ سے کچھ بچے وکالت کی تعلیم حاصل کرتے، کچھ بچے جج بننے کی کوشش کرتے، کچھ بچے ڈاکٹر بنتے، کچھ سول سروسز میں جاتے، کچھ ڈیفنس میں داخل ہوتے، کچھ سیاست میں پنجہ آزمائی کرتے، ایک منظم انداز سے ملک کے ہر شعبہ میں ہماری نمائندگی ہوتی، ہمیں اپنے ہر معاملہ کے لیے دوسروں کا سہارا نہ لینا پڑتا؛ لیکن افسوس کہ ہماری طویل غفلت نے ایسا ہونے نہ دیا اور افسوس بالائے افسوس یہ کہ ابھی بھی ہم اسی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

دوسرا سوال کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم نے اپنی ذمہ داری کتنی ادا کی؛ بلکہ خود اپنے آپ کو اسلام پر کتنا باقی رکھا، یہ پہلے سوال سے بھی زیادہ اہم ہے، اس پہلو کا اگر ہم محاسبہ کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہماری ایک بڑی تعداد صرف نام اور چند رسم ورواج کے اعتبار سے مسلمان ہیں، ان میں اسلام کی کوئی خوبی نہیں پائی جاتی، نہ اسلامی اخلاق ان میں نظر آتا ہے، نہ اسلامی معاملات کی ان کو ہوا لگی ہے، نہ ہی اسلامی معاشرت سے وہ واقف ہیں؛ بلکہ اسلامی عبادات اور عقائد میں بھی بڑی حد تک کمی اور کوتاہی پائی جا رہی ہے، آج مسلمان کے اخلاق اور معاملات کی حالت یہ ہے کہ اگر اس کے اخلاق اور معاملات کو کسی کاغذ پر لکھ دیا جائے اور اس کا نام نہ لکھا جائے تو شاید ہی کوئی جان سکے کہ یہ کسی مسلمان کے حالات ہیں یا غیر مسلم کے!

یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی سنگین صورت حال کے بڑے ذمہ دار ہم خود ہیں، ہماری غفلت اور اسلامی نظام سے دوری کی وجہ سے ہمارے اوپر یہ برے حالات آ رہے ہیں: قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ. (سورۃ الرعد/ 11)

بے شک اللہ تعالی کسی قوم کی بہتر حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتے، جب تک کہ وہ خود اپنے اعمال کو نہ بدل دیں، اور جب اللہ تعالی کسی قوم کو تکلیف پہنچانا چاہتا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا، اور اللہ کے سوا اس قوم کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (سورۃ الانفال/53)

اللہ تعالی نے کسی قوم کو جو نعمت عطا کی ہے، وہ اس نعمت کو اس وقت تک نہیں بند کرتا؛ جب تک کہ وہ قوم خود اپنے اعمال نہ بدل لے اور بے شک اللہ تعالی ہر بات سننے والا اور ہر حال کو جاننے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسلام سے دوری اختیار کی، اپنے اعمال بدل دیے تو اللہ تعالی نے بھی اپنا انعام روک لیا اور ہم برے حالات کے شکار ہو گئے۔

لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے اگر ہم نے اپنے حالات سنوار لیے، ایک سنجیدہ، فکرمند شہری اور ذمہ دار مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنی زندگی کی نئی شروعات کی تو یہ تمام برے حالات چھٹ جائیں گے، تمام

پریشانیاں دور ہوجائیں گی، مسلمان اپنی زندگی کے خوش حال اور باوقار دور میں داخل ہوجائے گا، اللہ تعالی کی مدد آئے گی، ہمارے ساتھ خدائی طاقت ہوگی، دنیا کی تمام چیزیں ہمارے تابع ہوں گی، ہم سر بلند اور سرخ رو ہوں گے اور دنیا کی کوئی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی؛ چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِي الْأَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِینَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِینَھُمُ الَّذِي ارْتَضَی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ أَمْنًا یَعْبُدُونَنِي لَا یُشْرِکُونَ بِي شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَئِكَ ھُمُ الْفَاسِقُونَ - وَأَقِیمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّکَاةَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُونَ - لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا مُعْجِزِینَ فِي الْأَرْضِ وَمَأْوَاھُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِیرُ (سورۃ النور)

اللہ تعالی نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے، یہ وعدہ کیا ہے کہ اللہ تعالی انہیں ضرور زمین کی خلافت اور سیادت عطا کرے گا، جیسے پہلے بہت سوں کو عطا کی ہے، اور ان کے مذہب کو جو اللہ کا پسندیدہ مذہب ہے، دنیا میں غالب کرے گا، اور ان کے خوف اور دہشت کی حالت کو امن میں تبدیل کردے گا؛ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کریں، اس کے بعد بھی جو کفر کو اختیار کرے گا تو ایسے لوگ نافرمان شمار ہوں گے، نیز نمازیں قائم کرو، زکات ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو، یقیناً تم پر رحم کیا جائے گا، اور یہ ہرگز مت سمجھو کہ یہ کافر لوگ ہمیں دنیا میں مغلوب کردیں گے، خوب جان لو کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا انجام ہے۔

اس آیت کو غور سے پڑھنا چاہیے اس میں مسلمانوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان پر عمل کرنا چاہیے، ان شاء اللہ وہ وعدہ بھی پورا ہوگا جو اللہ تعالی نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی مسلمانوں کو خوش خبر سناتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَا تَھِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِینَ. (سورۃ آل عمران)

نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو، تم ہی سر بلند رہو گے بس شرط یہ ہے کہ تم ایمان والے بن جاؤ۔

یہ آیت ہمیں صبح نو کا پتہ دیتی ہے، کس طرح یہ بدتر حالات ہم سے دور ہوسکتے ہیں اور کیسے ہم امن و امان اور عزت ووقار کی زندگی حاصل کرسکتے ہیں، ہمیں ہمت اور طاقت کہاں سے مل سکتی ہے، ہمارے غم کیسے دور ہوسکتے ہیں، ہماری سر بلندی کا راز کیا ہے اور ہماری زندگی کی نئی صبح کا آغاز کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ آیت ہماری بہترین رہبری اور رہنمائی کررہی ہے، بس نصیحت قبول کرنے والے دل کی ضرورت ہے۔

علمی تحقیق

پانچویں وآخری قسط

خروجِ ''یاجوج ماجوج'' کے بارے میں اِسلامی عقیدہ

قرآن وحدیث کی تصریحات اوراہلِ حق کی تحقیقات کی روشنی میں

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

خروجِ یاجوج ماجوج سے متعلق محدث العصر علامہ محمد انور شاہؒ کی رائے کی تحقیق:

ہمارا اَصل مدعا یہاں آ کر پورا ہوجاتا ہے، البتہ چوں کہ سوشل میڈیا پر دیئے گئے محولہ بالا بیان میں بھی، اور اِس سے پہلے لکھے گئے بعض اہم شخصیات کے مضامین میں بھی، اپنی مزعومہ تحقیق اور جمہور سے منحرف نتیجے کے سلسلہ میں، محدث العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کو اتھارٹی قرار دیتے ہوئے، آپ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، اِس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے۔

احقر کی ناقص معلومات میں حضرت علامہؒ نے اِس موضوع پر بطور خاص دو جگہ بحث فرمائی ہے: ایک: اپنے درسِ بخاری میں۔ دوسرے: اپنی عربی تصنیف ''عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام'' (ص ۲۹۶:-۳۰۵) میں۔

''عقیدۃ الاسلام'' حضرتؒ نے مرزا قادیانی ملعون کے رد میں تحریر فرمائی تھی، اور اُس میں نزولِ عیسیٰؑ اور اس کے متعلقہ مباحث پر بہت تفصیلی اور محققانہ کلام فرمایا ہے۔

درسِ بخاری میں کیے گئے کلام کا مختصر مختصر ساذکر ''فیض الباری'' میں دو مقام پر آیا ہے:

۱- پہلی جگہ ''باب قتال الترک'' (۴/۱۹۷) کے تحت۔ یہاں بہت مختصر گفتگو ہے، اور اُس پر جامعِ تقریر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے حاشیہ لگاتے ہوئے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہاں مضمون مکمل نہیں ہوا ہے، مزید تفصیل کے لیے آئندہ مقام (۴/۳۵۴) کو دیکھا جائے۔

۲- پھر دوسری جگہ ''باب قصة يأجوج ومأجوج'' (۴/۳۵۴-۳۵۵) کے تحت حضرت نے ایک صفحہ پر مشتمل فی الجملہ تفصیل فرمائی ہے۔ مگر یہاں بھی مزید تفصیل کے لیے ''عقیدۃ الاسلام'' کا حوالہ دے دیا ہے، پھر بحث کے آخر میں محشئ کتاب حضرت میرٹھیؒ نے حاشیہ میں وہاں سے پورا کا پورا کلام نقل بھی

کردیا، جو بعد میں طابعِ کتاب حضرت بنوریؒ نے مصلحتاً متن میں شامل فرمادیا۔

''فیض الباری'' اور ''عقیدۃ الاسلام'' میں حضرتؒ نے اِس بحث سے متعلق جو کچھ تفصیلات درج فرمائی ہیں، وہ یقیناً انتہائی نادر اور بصیرت افروز تحقیقات پر مشتمل ہیں، مگر وہ مسلکِ جمہور کے عین مطابق اور اُس کے لیے مؤید ہیں، ان کے اندر نتیجہ کے اعتبار سے کوئی شذوذ اور عدول نہیں ہے، البتہ بعض اکتشافات اور نصوص کی تطبیقات میں ندرت ضرور ہے، وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

محولہ مقامات میں درج حضرتؒ کے افادات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

احادیث میں یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول خروجِ دجال کے بعد ہوگا، پھر آپ ہی اُس کو قتل فرمائیں گے، اور لوگوں کو اُس کا خون اپنے نیزے پر دکھائیں گے، پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے، تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی آپ ہی کی دعا کی برکت سے ہلاک فرمائیں گے۔

ملحدوں نے اِن احادیث میں بھی (معنوی) تحریف کی کوشش کی ہے، میں نے یاجوج ماجوج کے مسئلہ سے متعلق تاریخی وحدیثی مباحث پر مشتمل ایک مستقل مقالہ لکھا ہے، جس کے بتمامہ ذکر کا تو یہاں موقع نہیں، ہاں اُس کے بعض بعض اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔

یاجوج ماجوج باتفاقِ مؤرخین انسانوں میں سے ہیں، اور یافث بن نوح کی ذریت میں سے ہیں، اہلِ یورپ کے ہاں اُن کو ''کاک میکاک'' کہا جاتا ہے، ابن خلدون نے ''غوغ ماغوغ'' نقل کیا ہے، اہلِ برطانیہ وجرمن خود کو ''ماجوج'' کی نسل سے کہتے ہیں، اہلِ روس ''یاجوج'' کی نسل سے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ سب انسان ہی ہیں۔

..... مگر اِن میں سے کسی پر بھی قرآنی بیان ''مفسدون فی الأرض'' نہیں صادق آرہا ہے، اِس لیے کہ ''فساد'' تو نسلوں کو برباد کرنے، کھیتیوں کو اجاڑنے، آبادیوں کو ویران کرنے، لوٹ مار کرنے، اور غارت گری کرنے کو کہتے ہیں، نہ کہ سیاست اور تدبیر کے ذریعہ حکومت حاصل کرنے کو۔

اور اِن اقوام کا موجودہ غلبہ سیاست وتدبیر کے ذریعہ ہوا ہے، فساد وغارت گری کے ذریعہ نہیں۔

یاجوج ماجوج کا عام خروج ایک سے زائد مرتبہ ہوگا، جیسا کہ وہ پہلے بھی نکل چکے ہیں، اور روئے زمین پر فساد وغارت مچا چکے ہیں، البتہ آخر زمان میں اُن کا وہ خروج ہوگا جس کا تذکرہ قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے، اور وہ سب سے سخت ترین ہوگا۔

تو یہ عام خروج اُس مخصوص وموعود خروج کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ خوارج سے متعلق

احادیث؛ ہیں تو ان کی ایک مخصوص جماعت کے بارے میں، مگر ان کا سلسلہ آگے بھی چلتا رہا۔

قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ دیوار کے انہدام کے فوراً بعد اُن کا خروج ہوگا، قرآن میں تو دو الگ الگ مضمون ہیں، جن کو بعض نے ایک دوسرے سے مربوط سمجھ لیا:

ایک تو ہے اندکاکِ سدّ وانہدامِ دیوار، دوسرے ہے یاجوج ماجوج کا کھولا جانا اور اُن کا خروج۔

ایسا ہوسکتا ہے کہ دونوں میں کچھ فاصلہ ہوجائے، جیسے کہ علاماتِ قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، فتحِ بیت المقدس، اور فتحِ قسطنطنیہ کا ذکر آتا ہے، مگر اِن تینوں کا فاصلہ معلوم ہے! تو ایسے ہی اندکاکِ سدّ یہ ایک الگ علامت ہے، اور خروجِ موعود یہ مستقل علامت ہے، دونوں میں اتصال ضروری نہیں۔

قرآن سے تو بس اتنا معلوم ہورہا ہے کہ خروجِ موعود انہدامِ سدّ کے بعد ہوگا، اُس سے پہلے نہیں، باقی اتصال وانفصال کی کوئی بحث قرآن میں نہیں ہے۔

مرزا قادیانی کی کسی بحث کے رد میں فرماتے ہیں:

پس معاملہ اِس پر ٹھہرا کہ ابھی اور انتظار کیا جائے، اور غیب کی خبروں پر یقین رکھا جائے، کیوں کہ اگر وہ کسی اور طور پر نکل بھی چکے ہوں پھر بھی معہود وموعود طریق پر بہر حال نہیں نکلے ہیں، لہذا وہ دیوار منہدم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، مرزا کے باطل استدلال کی بنا بہر حال منہدم ہوگئی!۔

مرزا: یورپین اقوام کو یاجوج ماجوج کہتا ہے، تو اگر وہ یاجوج ماجوج ہوں بھی تو اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ ان کا یہ خروج سدّ ذوالقرنین سے تو ہوا نہیں ہے؟ پھر یہ تو خود کو مغل (منگول) کہتا ہے، اور (مؤرخین کے بقول) مغل بھی تو یاجوج ماجوج ہی کی نسل سے ہیں!۔

یہ بات اہلِ جغرافیہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ اَب بھی بہت سے پہاڑ، صحراء اور سمندر کے حالات سامنے نہیں آسکے ہیں۔

یاجوج ماجوج کے بارے میں حقیقی علم اللہ تعالی ہی کو ہے، اور جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ اُس نے زمین کے تمام گوشوں کی پوری تحقیق کرلی ہے تو وہ جاہل ہے، کیوں کہ تحقیق کار تو خود ہی اعتراف کرتے ہیں کہ زمین کے ابھی بہت سے حصے ایسے باقی رہ گئے ہیں جہاں ہماری رسائی نہیں ہوسکی ہے، جن میں روس کے طویل پہاڑی حصے بھی شامل ہیں، تو ماہرین کی طرف سے ایسے اعتراف کے ہوتے ہوئے اِدھر اُدھر کی بکواس سے کیا فائدہ؟۔

یہ ہے یاجوج ماجوج سے متعلق علامہ کشمیریؒ کی تحقیقات وتطبیقات کا مستند خلاصہ، اور آپ کے مجموعۂ کلام سے آپ کے کبارِ تلامذہ: مولانا بدرعالم میرٹھیؒ، علامہ محمد یوسف بنوریؒ، مفتی محمد شفیع پاکستانیؒ، اور

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ جیسے حضرات نے بھی یہی کچھ سمجھا ہے، بلکہ مؤخر الذکر دونوں بزرگوں نے اپنے نادرۂ روزگار استاد ہی کے حوالہ سے اپنی اپنی کتابوں میں اسی کی پرزور ترجمانی بھی فرمائی ہے۔

لہٰذا اسی کو حضرت العلّامہؒ کی رائے سمجھنا چاہیے، اور اس کے علاوہ کوئی خلافِ جمہور بات حضرتؒ کی طرف منسوب کرنا، بہت بڑی زیادتی اور ناانصافی ہے، حضرت کا دامنِ تحقیق اِس طرح کے داغ سے پاک وصاف ہے۔

مسکِ ختام:

نصوص کے اِس طرح کے بے محل انطباقات کی کوششوں کا سلسلہ مسلمانوں کے مرعوب افراد وطبقات کی جانب سے ایک مدت سے جاری ہے، جس زمانے میں اِس انحراف کی ابتدا ہوئی تھی، اُسی زمانے (۱۹۲۸ء، ۱۹۲۹ء) میں مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے بھی اپنے اَخبار "سچ" میں اسی طرح کا ایک غیر مستند مضمون شائع کردیا تھا۔

پھر جب اپنی شرعی ذمہ داری کا اِحساس ہوا تو اس سلسلہ میں اُس وقت کی سب سے مستند علمی شخصیت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا، حضرتؒ نے مضمون ملاحظہ فرما کر ایک جامع اصولی استدراک تحریر فرمایا تھا، جو "سچ" کے صفحات میں شائع بھی ہوگیا تھا۔

اُس مضمون کی اہمیت، افادیت اور ضرورت چوں کہ آج بھی اُسی طرح قائم ہے جس طرح کہ روزِ اول میں تھی، اِس لیے آئندہ صفحات میں "مسکِ ختام" کے طور پر وہ پورا مضمون، اور اُس پر مولانا مرحوم کے تاثراتی کلمات "حکیم الامت: نقوش وتاثرات" (ص ۱۰۶:-111) سے نقل کیے جاتے ہیں:

(خوب خیال کرکے پڑھیے کہ "حکیم الامت" کی یہ بیسویں قسط بقلم عبدالماجد نہیں، بقلم حکیم الامت ہے)

1— : نصوص کا اپنے ظواہر پر محمول کیا جانا، اِجماعی منقولی مسئلہ ہے اور معقولی بھی، ورنہ تمام نصوص اور تمام قوانین سے اَمن مرتفع ہوجاتا ہے، البتہ اگر کوئی عقلی یا نقلی صارِف ہو تو بہ ضرورت غیر ظاہر پر کرلیا جائے گا، مگر صارف کا محض خیالی یا ذاتی ہونا کافی نہیں، ورنہ ہر فرقہ قرآن وحدیث کا تحریف کرنے والا ایسے خیال وذوق کا مدعی ہوسکتا ہے۔

اور صوفیہ کی تاویل اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ وہ ان معانی کے مدلولِ نص ہونے کے مدعی نہیں، بلکہ اصل مدلولات کو قبول کرکے، ان مدلولات کے مشابہ کو بہ طور اعتبار کے ظاہر کرتے ہیں۔

(احقر عرض کرتا ہے کہ یہاں بات محققین صوفیہ کی ہورہی ہے کہ ان کے ہاں نصوص میں جو نِکات ولطائف پیدا کیے جاتے ہیں، وہ اُس آیت یا روایت کے معنیٔ اصلی اور مفہومِ قصدی کے طور پر نہیں، بلکہ صرف نکتے اور لطیفے کے طور

پر ہوتے ہیں، جن کو حضرت تھانویؒ اپنی اصطلاح میں ''اعتبار'' سے تعبیر کرتے ہیں، جو اگر درست ہوں فبہا ونعم، اور اگر درست نہ ہوں تو اُن کے فساد سے کسی عقیدہ یا فکر پر زد بھی نہیں پڑتی، وہ اپنی جگہ محفوظ رہتا ہے۔

برخلاف ملحدین ومتجددین کے، کہ یہ لوگ نصوص کے مفہومِ مرادی پر حملہ آور ہوتے ہیں، اور ان کا مطلب قبول کرنے کی صورت میں اپنا پچھلا عقیدہ متزلزل ہوتا ہے، جیسا کہ محولہ بالا بیان میں جمہور کے متفقہ عقیدہ کو ''غلط فہمی'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اپنے خالی الذہن سامعین کو اُس سے ''توبہ'' کرانے کی سعی کی گئی ہے، فإلی اللہ المشتکی سعدی)۔

احادیثِ متضمنۂ خروجِ دجال ویاجوج وماجوج کو جو ''صحیحین'' میں مذکور ہیں، جو شخص خلوئے ذہن کے ساتھ پڑھے گا، اس کے ذہن میں بے تکلف جو معانی آویں گے وہی ان احادیث کے مشہور اور صحیح محمل ہیں۔

ان معانی کا امتناع، نہ کسی دلیلِ عقلی سے ثابت ہے اور نہ کسی دلیلِ نقلی سے، مثلاً: کسی دوسری ایسی ہی صحیح حدیث میں اس کے خلاف آیا ہو، یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خروج کا کوئی زمانہ متعین فرمایا ہو، اور وہ زمانہ گذر گیا ہو، مگر ایسا بھی نہیں ہوا، بلکہ ایک حدیثِ صحیح میں تصریح ہے کہ آپ کو دجال کے متعلق یہ بھی احتمال تھا کہ شاید میرے ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے، تو ایسی صورت میں حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا کیسے صحیح ہوگا۔

(اس سے معلوم ہوا کہ دجال کوئی متعین ''شخص'' اور خاص ''فرد'' ہوگا، کسی عام ''ماحول'' یا ''قوم'' کو اُس کا مصداقِ حقیقی قرار دینا درست نہیں۔سعدی)۔

پھر وہ مجاز بھی بعض قلیل عبارات میں جاری کیا گیا ہے، اور جو عبارات اس مجاز سے بھی خالی چھوڑ دی گئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، چنانچہ مضمونِ مذکور کی تاویلات کو احادیث پر منطبق کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔

چنانچہ نمونہ کے طور پر ایک عبارت بالمعنی پیش کرتا ہوں کہ ان دونوں واقعات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہوں گے، جس میں ایک واقعہ [دجال کا] ختم ہوگا، اور دوسرا [یاجوج ماجوج کا] شروع بھی اور ختم بھی ہوگا، اور حدیثوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ لفظِ ''نبی اللہ'' بھی آیا ہے، اس لیے اس میں کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی کا دل چاہے ''مشکوٰۃ'' کے یہ اَبواب اُن مدعی صاحب کے سامنے لے کر بیٹھ جاوے، معلوم ہو جائے گا کہ کتنی جگہ گاڑی اٹکے گی۔

اسی لیے علمائے امت میں سے، خصوص سلفِ خیر القرون میں سے کسی کو ایسے معانی کا احتمال

بھی نہیں ہوا۔اگر یہ کہا جائے کہ وقوع سے پہلے حقیقت سمجھ میں نہیں آتی، اول تو یہ بات غلط ہے، جب حقیقت واضح ہے تو سمجھ میں نہ آنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اس میں کلام ہے کہ جس کو وقوع کہا گیا ہے یہ وقوع ہے، یا نہیں؟ ممکن ہے وقوع اسی طور پر ہو جیسا مدلول متبادر ہے۔

پھر اگر علماء یا صحابہ نہ سمجھے ہوں، تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ احتمال نہیں، پھر جب بعض صحابہ کا متبادر معنی پر محمول کرنا آپ کو معلوم ہوا تھا، آپ نے اس کی نفی کیوں نہ فرمادی؟ اس معنی کی تقریر کیوں فرمائی؟

چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ ہوا تو حضور سے اس کے قتل کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا: اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر مسلط نہیں ہوسکتے، اگر وہ نہیں ہے تو اس کا قتل کرنا اچھی بات نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ یہ دجال ہوسکتا ہی نہیں، کیونکہ دجال ''شخصِ واحد'' کا نام نہیں، خاص ''قوم'' کا نام ہے، اس لیے یہ دجال نہیں ہوسکتا، خصوص جب کہ وہ اس قوم میں بھی نہ تھا۔

پھر اگر ایسی ہی تاویلات کا باب مفتوح ہو تو اس کی کیا دلیل ہے کہ جو اِس وقت سمجھا گیا وہی مراد ہے، ممکن ہے دوسری قوم اور دوسرے واقعات مراد ہوں، جو واقع ہو چکے ہوں، یا آئندہ واقع ہوں۔

اور اِس حال میں مرزا [قادیانی] کی تاویل پر بھی، حتی کہ دعویٔ نبوت میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، حالانکہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے، اِس تحریر میں اُس نے بھی ایسی ہی تطبیق کی کوشش کی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ دونوں تطبیقوں میں تعدادِ احادیث کی کمی وبیشی کا تفاوت ہو۔

کسی مدعا کے اِثبات میں زیادہ کوشش کرنا کوئی حقانیت کی دلیل نہیں ہے، اہلِ باطل نے اپنی آراء وأہواء کے اِثبات میں اس سے زیادہ کوشش کی ہے، مگر ان کے باب میں ارشاد ہوا ہے: {الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا}[الکہف]، اور اِرشاد ہوا ہے: {لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا}[آل عمران]۔

اِسی طرح دعا کے بعد رائے نہ بدلنا کوئی شرعی دلیل نہیں، مرزا نے بھی ایسے دعوے کیے ہیں، شرعی اَدِلّہ متعین ہیں، یہ ان میں سے نہیں، اور راز اس کا یہ ہے کہ بعض دعا شرائط سے خالی ہوتی ہے، اس لیے قبول نہیں ہوتی۔

پھر غضب پر غضب یہ ہے کہ بلا دلیل اپنے دعوی پر اتنا جمود ہے کہ مخالف پر جس کے پاس شرعی دلیل بھی ہے، طعن واستہزا واستخفاف، بلکہ سب وشتم بھی کیا گیا ہے، کیا یہ مجاز ایسا قوی وراجح ہو گیا ہے کہ حقیقت کا

قائل تمسخر و ابطال کے قابل ہوگیا؟!(یہ اہلِ باطل کا قدرِ مشترک شیوہ ہے۔سعدی)۔

مدیر صاحب سے یہ شکایت ہے کہ قبل تحقیق اس کو شائع کردیا، خدا جانے کتنی اُمتِ محمدیہ غلطی میں مبتلا ہوگئی ہوگی، اور جو عذر اِشاعت کا لکھا گیا ہے، محقق علماء سے استفتاء کرلیا جائے کہ وہ عند اللہ عذر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تاوقتیکہ اس مضمون کے بُطلان کی اور اشاعت کے خطا ہونے کی تصریح شائع نہ کی جاوے''۔انتہی بلفظ حضرۃ التھانویؒ۔

آخر میں قدرے تاخیر اور تکلف ہی سے سہی مولانا دریا آبادیؒ نے کافی حد تک یہ حقیقت پسندانہ اعتراف فرما ہی لیا:

''دجال اور مسیحِ موعود اور یاجوج و ماجوج و مسائلِ متعلقہ سے صحیح عقائد بے شک وہی ہیں جن کی جانب مولانا کے تنقیدی مضمون میں اِشارہ موجود ہے، اکابر اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے، لیکن گنجائش کسی نہ کسی حد تک اُن تعبیروں کی بھی نکل سکتی ہے جو حیدر آبادی مولوی صاحب،''سچ'' کے مضمون نگار نے اختیار فرمائی تھیں، اور اس لیے بہ طور ایک کمزور مذہب کے اس کی اشاعت میں بھی چنداں مضائقہ نہ تھا۔

لیکن ان تعبیرات کی کمزوری کی تصریح افسوس ہے کہ اس وقت نہ کردی گئی، اور کی کیسے جاتی؟ جب خود ہی اس وقت اس حد تک کمزوری کا اِحساس نہ تھا، اور ادارتی خاموشی سے''سچ'' داں (یا''سچ'' خواں؟) طبقہ قدرتاً اور بالکل صحیح طور پر یہ سمجھتا رہا کہ اس نہایت درجہ طویل مضمون کو ادارتی تائید بھی حاصل ہے، اس طرح کی کوتاہیاں اور لغزشیں فرائضِ ادارت میں خدا معلوم کتنی اور بھی ہوچکی ہیں؟!''۔

وهذا آخر ما أردت إيراده هنا، راجياً منه سبحانه وتعالى أن ينتفع به كاتبه وناظره، ونعوذ به تبارك وتعالى من الشرور والفتن ما ظهر منها وما بطن، وصلى الله وبارك وسلم على نبينا محمد، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

خریدار حضرات سے

آپ حضرات کے ایڈریس کی سلیپ پر ختم مدت کی صراحت موجود ہے، برائے کرم اسے ملاحظہ کریں اور ماہنامہ کا سالانہ زرِتعاون مبلغ تین سو روپئے سالانہ کے حساب سے جلد از جلد ارسال فرمائیں۔

حالاتِ حاضرہ

کیا اب کھلے میں نماز پڑھنا قانوناً جرم ہو گیا ہے؟

سہیل انجم — دہلی

sabjumdelhi@gmail.com

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر الہ آبادی نے سو سال سے بھی زائد پہلے یہ شعر کہا تھا۔ اس وقت انھیں اس کا اندازہ نہیں رہا ہوگا کہ انگریزوں کے دور میں نماز پڑھنا جرم ہو یا نہ ہو، آزاد ہندوستان میں جرم بن جائے گا۔ حالیہ دنوں میں عوامی مقامات پر نماز کی ادائیگی کی پاداش میں جس طرح لوگوں کی گرفتاریاں ہوئی ہیں اس کے پیش نظر یہ سوال ذہن میں سر اٹھاتا ہے کہ کیا اب ہندوستان میں کھلے میں نماز ادا کرنا قانوناً جرم ہو گیا ہے۔ سپریم کورٹ نے 1994 میں اسماعیل فاروقی کیس میں رولنگ دی تھی کہ مسجد اسلام کا لازمی حصہ نہیں ہے۔ نماز کہیں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ کھلے میں بھی۔ جب ستمبر 2018 میں ایودھیا معاملے پر سپریم کورٹ میں سماعت ہو رہی تھی تو اس وقت بھی یہ معاملہ روشنی میں آیا تھا اور میڈیا میں اس کی خوب کوریج ہوئی تھی۔ لیکن اگر اس فیصلے کی روشنی میں آپ کھلے میں یا عوامی مقامات پر نماز ادا کرنا چاہیں تو آپ جیل جانے کے لیے تیار رہیں۔

حالیہ دنوں میں اور بالخصوص رواں سال میں عوامی مقامات پر نماز پڑھنے کی وجہ سے متعدد افراد کو جیل کی ہوا کھانی پڑی ہے، یوں تو اس قسم کی خبریں آتی رہی ہیں لیکن لکھنو کے لولو مال میں نماز کی ادائیگی کی خبر میڈیا میں شہ سرخی بن گئی، آئیے سلسلہکے واقعات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

ایک سماجی تنظیم ”خدائی خدمت گار“ کے فیصل خان کو دو نومبر ۲۰۲۰ء کو متھرا کے ایک مندر میں نماز ادا کرنے پر جیل ہوئی تھی، حالانکہ ان کا دعویٰ تھا کہ انھوں نے مندر کے ذمہ داروں سے اجازت لے کر مندر کے صحن میں نماز پڑھی تھی، لیکن ہندو تنظیموں نے اس کے خلاف زبردست واویلہ مچایا اور بالآخر فیصل خان کو کئی ماہ جیل میں گزارنے پڑے، اس سے قبل اپریل ۲۰۲۰ء کی ابتدا میں نوئڈا میں کووڈ پروٹوکول کی

خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز پڑھنے کی وجہ سے ۵۳؍افراد کے خلاف قانونی کارروائی کی گئی جن میں سے دس کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا تھا۔

خیال رہے کہ ان دنوں تبلیغی جماعت کو بدنام کرنے کی مہم میڈیا میں جاری تھی، ایسے معاملات میں سب سے زیادہ تیزی رواں سال میں دیکھی گئی ہے، ۲۳؍اپریل کو آگرہ میں سڑک پر نماز تراویح پڑھنے کی وجہ سے ۱۵۰؍افراد کے خلاف مختلف دفعات کے تحت کارروائی کی گئی۔۱۹؍مئی کو حیدرآباد کے چار سیاحوں کو تاج محل میں نماز پڑھنے پر گرفتار کرلیا گیا، جمعہ کے روز تاج محل سیاحوں کے لیے بند رہتا ہے تاکہ اس کے احاطے میں واقع مسجد میں مقامی مسلمان جمعہ کی نماز ادا کرسکیں، مقامی لوگوں کو ان کے آئی کارڈ چیک کرنے کے بعد جانے کی اجازت دی جاتی ہے،لیکن ایک روز قبل یعنی جمعرات کو حیدرآباد کے چار سیاحوں نے وہاں نماز پڑھی اور وہ جیل بھیج دیے گئے۔

بہرحال اگر تاج محل میں جمعہ کو چھوڑ کر بقیہ دنوں میں نماز کی اجازت نہیں ہے تو وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیے تھی، علی گڑھ کے شری وارشنے کالج میں ایک استاد پروفیسر ایس آر خالد کو کیمپس میں نماز پڑھنے پر ایک ماہ کے لیے تعطیل پر بھیج دیا گیا، ۲۹؍مئی کو نماز پڑھتے ہوئے ان کی تصویر وائرل ہوئی تھی جس پر ہندو تنظیموں نے ان کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا تھا۔

لولو مال میں ۱۲؍جولائی کو نماز کی ادائیگی کا معاملہ کافی آگے بڑھ گیا، پہلے سوشل میڈیا میں یہ خبر آئی کہ پولیس نے جن لوگوں کو نماز پڑھنے پر گرفتار کیا ہے وہ سب غیر مسلم ہیں،لیکن پولیس نے وضاحت کی کہ غیر مسلموں کو لولو مال میں ہنومان چالیسہ پڑھنے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے نہ کہ نماز پڑھنے کی وجہ سے،نماز پڑھنے کی وجہ سے پہلے چار مسلم نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا تھا، اب اس معاملے میں گرفتار شدگان کی تعداد آٹھ ہوگئی ہے، پہلے جن چار نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا وہ سب لکھنو کے ہیں، ان میں سے ایک ڈی فارما کا اسٹوڈنٹ ہے، ایک محلے میں بچوں کو عربی (شاید قرآن) پڑھاتا ہے، دو سگے بھائی ہیں جو ایک مدرسے میں حفظ کے طالب علم ہیں، ان کی والدہ کا کہنا ہے کہ وہ دونوں مال دیکھنے گئے تھے، وہاں انھوں نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو وہ بھی اس میں شریک ہوگئے، باقی چار لوگ کون ہیں ابھی ہمارے پاس اس کی تفصیل نہیں ہے۔

۲۲؍جولائی کو ہریدوار کے ایک ہفتہ واری بازار میں نماز پڑھنے کی وجہ سے آٹھ افراد کو گرفتار کرلیا

گیا، بعد میں ایس ڈی ایم عدالت نے ان کو وارننگ دے کر ضمانت پر چھوڑ دیا، اسی طرح ۲۵ رجولائی کو میرٹھ کے سہراب گیٹ پر واقع ایک شاپنگ مال میں ایک شخص کے نماز پڑھنے پر پولیس کی جانب سے کارروائی کی جارہی ہے، اس سے قبل یوپی کے ڈائرکٹر جنرل آف پولیس اوم پرکاش سنگھ نے اعلان کیا تھا کہ ریاست میں کھلے میں نماز پڑھنا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے، یوپی کے وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ نے بھی کئی باراس حوالے سے بیان دیا ہے، ہریانہ کے وزیر اعلیٰ منوہر لال کھٹر نے بھی کئی بار عوامی مقامات پر نماز پڑھنے کے خلاف بیان دیا اور کہا کہ کھلے میں نماز برداشت نہیں کی جائے گی۔ گڑگاؤں میں پولیس کی اجازت سے پارکوں میں نماز پڑھنے کے خلاف جس طرح ہندوتنظیموں نے ہنگامہ کیا اوراب ان پارکوں کی تعداد بے حد کم کردی گئی اس بارے میں میڈیا میں کافی رپورٹنگ ہوچکی ہے۔

ہم اپنا سوال ایک بار پھر دوہراتے ہیں کہ کیا عوامی مقامات پر نماز پڑھنا قانوناً جرم بن گیا ہے؟ ہندوتنظیموں کی جانب سے مسلمانوں کے کسی عمل یا کسی بیان پر کی جانے والی اس شکایت پر کہ اس سے ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے، فوری طور پر کارروائی کی جاتی ہے تو کیا مسلمان یہ شکایت کر سکتے ہیں کہ کھلے میں نماز پڑھنے سے روکنے کی وجہ سے ہمارے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ سپریم کورٹ تو کہہ چکا ہے کہ کہیں بھی کھلے میں نماز پڑھ سکتے ہیں تو پھر اس کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی۔

ایک تھنک ٹینک سی ایس ڈی ایس سے وابستہ سماجی معاملات پر گہری نظر رکھنے والے ہلال احمد اکتوبر ۲۰۲۱ء میں اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے، خاص طور پر گڑگاؤں میں پرامن انداز میں نماز پڑھنے کے خلاف ہندوتوتنظیموں کی جارحانہ مہم سے ان کو زبردست تکلیف پہنچی ہے، یہ مہم دو کلیدی اصولوں کے منافی ہے۔ اول اللہ کی ذات پر میرا روحانی ایمان اور دوم گاندھیائی نظریہ سرودھرم سمبھاؤ پر میرا یقین، ان کے مطابق نماز کے تئیں ہندوؤں کے احترام کی وجہ سے عوامی مقامات پر نماز ادا کرنا آسان تھا۔ یہاں تک کہ چلتی ٹرینوں، اسپتالوں کے کاریڈور اور مندروں میں بھی ان کے لیے نماز کی ادائیگی ممکن ہو پائی تھی۔ لیکن اب ہندوتو کی سیاست کی وجہ سے نماز کو اچھوت بنایا جارہا ہے۔

بہرحال ملک کے موجودہ حالات میں علما کی جانب سے یہ اپیل کی جاتی رہی ہے کہ مسلمان عوامی مقامات اور سڑکوں وغیرہ پر نماز ادا کرنے سے احتراض کریں۔ مسلمان اپنی جانب سے شر پسندوں کو ہنگامہ

آرائی کا موقع نہ دیں۔ یہ مشورہ بالکل درست ہے۔ مسلمانوں کو اپنے عمل سے ٹکراؤ کا ماحول پیدا کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ انھیں سڑکوں پر صف بندی کر کے ٹریفک میں خلل ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر ان کے اس عمل سے یا کسی بھی عمل سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ایسا نہ کریں۔

لولو مال میں بھی نماز پڑھنے کا کوئی تک نہیں تھا، اگر نماز قضا بھی ہو رہی تھی تب بھی ان لوگوں کو کوئی مسجد تلاش کرنی چاہیے تھی، بہر حال ابھی یہ معاملہ صاف نہیں ہوا ہے کہ مال میں نماز کی تحریک کن لوگوں کی تھی، لیکن بہر حال یہ سوال بھی پوچھا جانا چاہیے کہ جب عوامی مقامات پر نماز پڑھنا قانوناً جرم نہیں ہے تو پھر گرفتاریاں کیوں ہو رہی ہیں۔

دوسرے یہ کہ جب عوامی مقامات پر رام لیلا، درگا پوجا یا ایسے ہی دیگر مذہبی اعمال کی اجازت ہے اور ان کے مرتکبین کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی تو پھر عوامی مقامات پر نماز پڑھنے پر کارروائی کیوں کی جاتی ہے، اگر ایک مذہب کے پیروکاروں کو مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے عوامی مقامات کے استعمال کی اجازت ہے تو پھر دیگر مذاہب کے لوگوں کو کیوں نہیں ہے؟

دینی مدارس کی روح

ہمارے اکابر کے لیے تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور امامت وخطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے، بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے۔ اور بزرگوں کے اخلاص وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، ذکر وشغل اور اتباع سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جا رہی ہے۔

اساتذہ وطلبہ میں شب خیزی، ذکر وتلاوت، زہد وقناعت، اخلاص وللّٰہیت، اور محنت وجانفشانی کی فضا ختم ہو رہی ہے۔ نماز فجر کے بعد تلاوت وقرآن مجید کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو، ٹی وی جیسی منحوس چیزیں، جدید تمدن نے گھر گھر پہنچادی ہیں اور ہمارے دینی قلعے دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ وہ خطرناک صورت حال ہے جس نے ارباب بصیرت اہل دل کو بے چین کر رکھا ہے۔ (ملفوظ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ)

تبرکاتِ اکابر

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

فرمایا: ذکر و اشغال میں کسی سنت کا ترک نہ ہونے دے، اور اس بات کو خوب سمجھ لے کہ اگر ترک سنت کر کے ذکر وغیرہ کرے گا تو خاک نفع ہوگا، بالخصوص معاصی و ایذا رسانی سے بہت اجتناب کرے، بیماری و مصائب کو زیادہ موجبِ قرب سمجھے اور اس بات کا پکا یقین کرے کہ جو درجہ برسوں مجاہدہ کرنے سے حاصل نہ ہوگا وہ تھوڑے دنوں کے مصائب اٹھانے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

فرمایا: دیکھئے لوگ ہم کو کافر تک کہتے ہیں، اس سے زیادہ سخت لفظ کون سا ہوسکتا ہے مگر ہم ان کو لوٹ کر بھی جواب نہیں دیتے، اور جو شخص اعتقاد سے ملے، اور خصوصیت ظاہر کرے تو اس کی معمولی سی ناگوار بات بھی بری معلوم ہوتی ہے اور اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے، دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ کیسی کیسی ایذائیں دیتے تھے، لساناً بھی اور عملاً بھی، حتی کہ حق تعالی کی طرف سے وحی آتی تھی کہ آپ کہیں تو ہم ان پر عذاب نازل فرمائیں مگر آپ یہی فرماتے تھے **اللھم اھدِ قومي فانھم لایعلمون**۔

اور حضرت جابرؓ ایک مرتبہ آئے اور اپنے آنے کی اطلاع کی، آپ نے پوچھا کون؟ انھوں نے کہا ''أنا'' (میں) تو آپ ناخوش ہوئے اور ڈانٹا ''أنا، أنا'' کس کو کہتے ہیں، نام لو کہ کون ہو۔

فرمایا: سہارنپور اور اس کے اطراف کے دیہات اچھے ہیں، بعض دیہاتوں میں تو ایسا دیکھا ہے کہ وہاں ایسا پردہ ہے کہ شہر کے مہذب لوگوں کے یہاں بھی نہیں، ہم لوگ طالب علمی کے زمانہ میں بہمراہی مولانا رفیع الدین صاحب عثمانی (مہتمم دار العلوم دیوبند) بعض دیہات میں گئے تو معلوم ہوا کہ گھر کی مستورات وضو کر کے کھانا پکاتی تھیں، ہم نے وہاں کسی عورت کو بے پردہ نہیں دیکھا، مردوں کی یہ کیفیت کہ سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعہ میں سب سے پہلے گاؤں والے ہی بیٹھتے ہیں، خاص کر رمضان شریف کے

آخری جمعہ میں، جمعرات کی شام ہی سے آبیٹھتے ہیں، وہاں لوگوں کو دین کا شوق ہے۔

فرمایا : بعض لوگ تنگئ وقت میں بھی وظیفہ وغیرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں، حالانکہ جلدی کا موقع ہوتا ہے، مثلاً ریل چھوٹنے کا وقت قریب ہو یا ایسا ہی کوئی موقع ہو۔

فرمایا : کہ میں ریلوے اسٹیشن پر ریل کے انتظار میں تھا، ادھر مغرب کا وقت تھا ادھر ریل کی آمد، ایک قاری صاحب بھی وہاں تھے ان کو امام بنایا، انھوں نے طویل قراءت شروع کردی، ایسے موقع پر اس قدر دیر کرنی ٹھیک نہیں، میں تو سفر میں اکثر صبح کے وقت نماز میں قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس سے زیادہ نہیں پڑھتا۔

فرمایا: ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ انھوں نے گھوڑے کی باگ (لگام) پکڑے ہوئے نماز پڑھی، ایک خارجی نے اس پر اعتراض کیا کہ دیکھو یہ تو صحابی ہیں، آپؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہولت پسند دیکھا ہے، میرا گھوڑا بھاگ جاتا تو میں پیادہ چلنے پر قادر نہ تھا، مجھ کو کیسی پریشانی ہوتی۔

اہل وعیال اور مال کی محبت کا ذکر ہورہا تھا، اس پر فرمایا کہ یہ جتنی محبتیں ہیں سب موذی ہیں، بجز اللہ تعالی کی محبت کے، حق تعالی کی محبت ایک ایسی محبت ہے جو ہر طرح راحت رساں ہے۔

فرمایا: تھانہ بھون کے پاس ایک گاؤں میں ایک ڈپٹی تھے، ان کے پاس مال بہت تھا، رات بھر پہرہ دیتے تھے، چوکیداروں کو پکارتے رہتے تھے، اور خود بھی جاگتے رہتے تھے۔

فرمایا: مجھے تو تصوف سارے قرآن وحدیث میں پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے، تصوف تو حقیقی وہی ہے جو قرآن وحدیث کا مدلول ہو، ورنہ نہ تو وہ تصرف ہوگا اور نہ تصوف۔

فرمایا : یادرکھو، خدا اور رسول کی اطاعت میں کمی ہوتی ہے تو دنیا کی عقل بھی مسخ ہوجاتی ہے، علامہ ابن القیم کا ایک رسالہ ہے جس میں انھوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ معصیت سے دنیا کی عقل بھی مسخ ہوجاتی ہے، واقعی بات ہے کہ نافرمانی کرنے والے بڑی، بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔

فرمایا: حبِّ دنیا کے دو شعبے ہیں، حبِّ مال، حبِّ جاہ۔

ہیں تو دونوں بُرے مگر حبِّ جاہ بدتر ہے، محبِّ مال تو کہیں اپنے آپ کے لئے تذلل بھی پسند کرلیتا ہے اس وقت تکبر سے بچ جاتا ہے، اور محبِّ جاہ کسی بھی وقت تکبر سے نہیں بچ سکتا۔

ماہِ رواں

محرم الحرام کی رسوم و بدعات

مفتی محمد راشد ڈسکوی

دارالافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ، سیالکوٹ

حضرت حسین رضی اللہ کو امام حسین کہنا کیسا ہے؟

''امام'' کے معنی مقتدیٰ اور رہبر کے ہیں، اس لحاظ سے حضرت حسینؓ کے ساتھ ''امام'' لگا کر ''امام حسینؓ'' کہنا درست ہے۔ تاہم حضرت حسینؓ کو ''امام حسینؓ'' کہنا چوں کہ ایک گمراہ فرقے کا شعار ہے اور یہ الفاظ ان کے ''نظریۂ امامت'' کی عکاسی کرتے ہیں جو کہ جمہور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک ایک باطل نظریہ ہے، لہٰذا ایسے موقعوں پر ان الفاظ سے اجتناب لازم ہے جہاں سامعین یا قارئین لغوی معنی اور نظریہ امامت کا فرق نہ سمجھ سکیں۔

''امام'' کا لفظ اہلِ حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے، اور شیعہ کے ہاں بھی، اہلِ حق کے ہاں اس لفظ کے معنی: مقتدا، پیشوا اور رہبر کے ہیں، جبکہ اہلِ تشیع کے ہاں ''امام'' مفترض الطاعۃ ہوتا ہے یعنی ایسا امام جس کی اطاعت فرض ہے اور اسکی ہر بات کو ماننا نبی کی طرح فرض ہے، اسی طرح امام ان کے نزدیک منصوص من اللہ (یعنی: اللہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے) ہوتا ہے، امام گناہوں اور خطاؤں سے بھی معصوم ہوتا ہے، امام شریعت کے حکم کو منسوخ کرسکتا ہے، امام حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرسکتا ہے، اسی طرح فرشتوں کے ذریعہ امام پر وحی آتی ہے وغیرہ۔ حالانکہ مفترض الطاعۃ ہونا، منصوص من اللہ ہونا اور معصوم ہونا یہ انبیائے کرام ہی کی خصوصیات اور ان ہی کے اوصاف ہیں، امام کے بارے میں ایسے عقائد رکھنا موجب کفر و اِرتداد ہیں اور ختم نبوت کے اِنکار کو مُستلزِم ہے، لہٰذا عقیدۂ امامت ہی کی بنیاد پر اس کے حامل شیعہ کافر، مرتد اور زندیق ہیں اور دائرۂ اِسلام سے خارج ہیں۔

اس تفصیل کے بعد واضح رہے کہ شیعہ لوگ جب کسی شخصیت کے ساتھ لفظِ ''امام'' استعمال کرتے ہیں تو وہ اپنے عقیدے کے تحت انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں، جو یقینا غلط ہے۔ اور جب اہلِ حق اس لفظ کو کسی شخصیت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں تو وہ صحیح معنی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، اس اعتبار سے تو تمام صحابہ،

تابعین واولیاء کرام سب ہی ہمارے امام ہیں، چنانچہ امام ابوبکر، امام عمر، امام عثمان، امام علی، امام فلاں وغیرہ سب جائز ہے، لیکن شیعہ کبھی بھی سوائے اپنے مخصوص بارہ اماموں کے کسی کے ساتھ بھی امام کا لفظ استعمال نہیں کرتے اور نہ ہی کریں گے۔ یہی اثر شیعوں سے عوام الناس میں منتقل ہوا ہے، کہ وہ بھی امام حسن اور امام حسین کہنے کے علاوہ کبھی امام ابوبکر، امام عمر اور امام عثمان وغیرہ کا لفظ استعمال کرتے نہیں دکھائی دیں گے، اہل تشیع کے اس اثر کو ختم کرنے کی نیت سے ضروری ہے کہ اہلِ حق بھی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ ''علیہ السلام'' کا استعمال ترک کریں، تاکہ اہل تشیع کے عقیدہ امامت کے تحت امام کہنے کا مغالطہ نہ ہو۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھنا

لغوی معنی کے اعتبار سے ''علیہ السلام'' کا معنی ہے: ''ان پر سلامتی ہو''، اس معنی کے اعتبار سے مذکورہ لفظ کسی بزرگ کے لیے استعمال کرنا ممنوع نہیں ہے، جیسا کہ ہم روزمرہ ''السلام علیکم'' کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، البتہ اہل سنت والجماعت کے ہاں ''علیہ السلام'' کے الفاظ انبیاءِ کرام علیہم السلام، اور ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ''رحمہ اللہ'' کے الفاظ تابعین، اولیاء اللہ وغیرہم کے لیے کے ساتھ خاص ہیں، اس کے خلاف کرنے سے بچنا چاہیے۔

البتہ صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم کے لیے ''علیہ السلام'' کہنا تبعاً جائز ہے، مستقلاً جائز نہیں، مثلاً: انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صحابہ کرام کا تذکرہ ہو اور پھر سب کے لیے ''علیہم السلام'' کہا جائے تو درست ہے۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ احسن الفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

> ''لفظ علیہ الصلاۃ والسلام'' انبیاء وملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے، غیر انبیاء کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں، لہذا (حضرت) حسین علیہ الصلاۃ والسلام، یا (حضرت) علی علیہ الصلاۃ والسلام کہنا جائز نہیں۔
> البتہ تبعاً استعمال کرنا جائز ہے، یعنی: کسی نبی کے نام کے بعد آل نبی یا صلحاء کا ذکر آجائے تو سب کے لیے ''علیہم الصلاۃ والسلام'' کہنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۹/۳۵)

خلاصہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنا روافض کا شعار ہے وہ معصوم مان کر ایسا کہتے ہیں؛ اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (فتاوی محمودیہ ۱۹/ ۱۴۵، فاروقیہ میں) لکھتے ہیں:

> ''ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھنے کو شعارِ شیعہ

واہلِ بدعت فرمایا ہے''۔(الفقہ الاکبر،ص ۱۶۷،ط: قدیمی)

دس محرم کو کاروبار وروزی کرنا؛ تنگیٔ روزی کا سبب ہے؟

بعض لوگوں کا نظریہ یہ سامنے آیا کہ دس محرم کو کاروبار کرنے کی وجہ سے پورے سال رزق میں تنگی رہتی ہے، اس لیے محرم کے پہلے عشرہ میں بالخصوص دس محرم میں کاروبار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ عقیدہ وخیال بھی بے بنیاد اور باطل ہے کیوں کہ شریعت میں ایسی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی بنیاد پر لوگ ان دنوں میں کاروبار بند کر کے ماتم اور نوحہ کی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں جو گناہ ہے اور روزی میں تنگی کا اصل سبب ہے کہ ساری نحوستیں اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں ہوتی ہیں۔

تعزیہ کا جلوس اور اس میں شرکت

محرم کی دس تاریخ کو تعزیہ کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی بھیڑ جمع ہوجاتی ہے۔ بعض لوگ یہ سوچ کر تعزیہ کے جلوس اور میلہ میں شامل ہوجاتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے۔ تو یاد رکھنا چاہئے کہ اس میں بھی گناہ ہے۔ اس کے کئی وجوہات ہیں:

۱- اس میں شرکت سے دشمن صحابہ شیعوں کی رونق بڑھتی ہے اور دشمنوں کی رونق بڑھانا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ ۲- جس طرح عبادت یا عبادت کے کاموں کا کرنا یا دیکھنا باعثِ ثواب ہے، اسی طرح گناہ کے کاموں کو دیکھنا یا کرنا بھی گناہ ہے۔ ۳- اس مقام پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ایسی جگہوں پر جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ایسی جگہوں پر جانے سے احتراز کرنا چاہئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر سبیل لگانا اور کھانا پکانا

اسی طرح بعض لوگ ماہ محرم خاص طور سے نویں اور دسویں محرم کو سبیل لگا کر پانی شربت یا دودھ پلاتے ہیں، حلیم، کھچڑا یا دیگر قسم کے کھانے بنا کر لوگوں میں بانٹتے یا اس کے لیے اپنے رشتہ داروں کو جمع کرتے ہیں اور اسے کارثواب سمجھ کر بڑی پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور نہ ہی صحابہ کرام نے اور تابعین و بزرگان دین نے نہ اس پر عمل کیا۔

اور اگر اس کھانے پلانے سے مقصود محض صدقہ وخیرات کرنا ہے تو واضح رہے کہ صدقہ پورا سال کسی دن بھی دیا جاسکتا ہے اور صدقہ میں کوئی بھی چیز؛ نقد رقم، کھانے پینے والی، یا پہننے والی، یا استعمال کی کوئی

بھی چیز دی جاسکتی ہے؛ لیکن اس عمل کے لیے کوئی مہینہ یا کوئی متعین دن مخصوص کر لینا، یا صدقہ میں کسی خاص چیز کو ہی متعین کر لینا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

اور اگر ان کاموں سے مقصود شہدائے کربلا کے لیے ایصال ثواب ہے تو اُن ہستیوں کو ایصال ثواب کے لیے شریعت کی طرف سے نہ تو کوئی دن مخصوص ہے اور نہ ہی مہینہ، اور نہ ہی ایصال ثواب کی کوئی مخصوص جہت، ایصال ثواب تو بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادات کا درست ہے، اور صدقہ کرنے میں صرف رقم کا صدقہ دینا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ شریعت میں تو سارا سال بغیر کسی تعیین کے جو بھی چیز؛ نقد یا استعمال کی دینا چاہیں درست ہے۔

بعض لوگوں کا خیال اور نظریہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت حسین اور دیگر شہداء رضی اللہ عنہم میدان کربلا میں بھوکے پیاسے تھے، ان پر پانی بند کر دیا گیا تھا، اسی حالت میں ان کی شہادت ہوئی، ہمارے اس کھانے پینے کی نذر و نیاز اور سبیل سے ان کی پیاس بجھے گی، یا بھوک مٹے گی۔ تو یہ عقیدہ بھی شرعی اور عقلی دونوں اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ شہدا کے پیاس کی حالت میں شہید ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اب تک پیاسے ہوں گے، کیا شہادت کا بلند مقام پانے والے ان شہداء کا جنت میں پہنچ جانا ان کو اس بھوک و پیاس سے بے نیاز نہیں کر دیتا، اس لیے شہداء کی محبت کا دم بھرنے والوں کی عقل پر ماتم اور سوچ پر تعجب ہے۔ بہر حال سبیل لگا کر شربت یا دودھ پلانا اور حلیم یا کوئی کھانا پکا کر بانٹنے کی رسم دین میں بلا دلیل زیادتی کے زمرے میں آتی ہے، جنہیں ترک کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا پانی کی سبیل لگانا، یا مخصوص قسم کے کھانے پکا کر تقسیم کرنا درست نہیں، اور ان سبیلوں سے پانی یا شربت پینا یا کوئی چیز کھانا درست نہیں۔

سیاہ لباس پہننے کا شرعی حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کالے رنگ کی چادر اوڑھنا اور سیاہ عمامہ باندھنا ثابت تو ہے، لیکن مکمل کالا لباس پہننا ثابت نہیں، تاہم سیاہ لباس پہننے کی ممانعت کے حوالہ سے کوئی روایت بھی ذخیرہ احادیث میں نہیں ملتی، اس لیے فی نفسہ کالا لباس پہننا مرد و عورت دونوں کے لیے جائز ہے، لیکن اس زمانے میں خاص طور پر محرم کے مہینے میں کالے رنگ کا لباس پہننا روافض کا شعار بن چکا ہے، اس لیے جن ایام میں یہ لوگ سیاہ لباس پہنتے ہیں اس دوران شہادت حسین کے غم کے نظریہ سے سیاہ لباس پہننے اور اس طبقے کے ساتھ مشابہت سے بچنے کے

لیے سیاہ لباس سے اجتناب لازم ہے، یا کسی اور غلط نظریہ کی بنیاد پر سیاہ لباس پہننا ناجائز ہے۔

محرم میں قبرستان جانے کی پابندی

اسی طرح بہت سی جگہوں پر لوگ دس محرم کو قبرستان جاتے ہیں، قبروں کی صاف صفائی اور لپائی وغیرہ کرتے ہیں۔تو واضح رہے کہ محرم کی دس تاریخ کو قبرستان جانا درست ہے، اس میں شرعاً مضائقہ نہیں، لیکن کسی خاص دن کا ایسا التزام جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست نہیں۔ شریعت نے ان کاموں کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا اور نہ ہی ان دنوں میں اس کی کوئی فضیلت بیان کی ہے۔اس لیے ہر سال صرف دس محرم کو ہی نہ جائیں، درمیان میں بھی جاتے رہیں اور کوئی سال ایسا بھی ہو جس سال دس محرم کو نہ جائیں۔

یہ بیمارِ محبت جب مدینہ جارہا ہوگا

کلام حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی

استاذ عربی مدرسہ منبع العلوم خیرآباد/مئو، یوپی

ہر اک لمحہ سکوں آمیز ہوگا دل کشا ہوگا		یہ بیمارِ محبت جب مدینہ جارہا ہوگا
مرا ذوقِ طلب اب خود ہی میرا رہنما ہوگا		زبان نعت پر یا مصطفی یا مصطفی ہوگا
نمازِ عشق کا ہر گام پہ سجدہ ادا ہوگا		بہر صورت درودِ پاک کا اک سلسلا ہوگا
نظامِ زندگی برہم سہی اک غم کا عالم ہے		مدینہ جب پہنچ جائیں گے عالم دوسرا ہوگا
دلِ بیمار سے یوں ہاتفِ غیبی نے فرمایا		تمہارے حق میں یہ شہرِ نبی دار الشفا ہوگا
رسائی جس گھڑی ہوگی حضورِ سیدِ عالم		ندامت سے شفاعت کی گزارش کررہا ہوگا

بامیدِ شفاعت عارفِؔ عاصی سرِ محشر
حضورِ شافعِ محشر کی جانب دیکھتا ہوگا

ماخوذ از ’’صہبائے عارفؔ‘‘

نشانِ راہِ عمل

حقوقِ انسان قرآن وحدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

ریاض، سعودیہ عربیہ

شریعت اسلامیہ نے ہر شخص کو مکلف بنایا ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق کی مکمل طور پر ادائیگی کرے۔ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے قرآن وحدیث میں بہت زیادہ اہمیت، تاکید اور خاص تعلیمات وارد ہوئی ہیں۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے اپنے قول وعمل سے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی جو بے شمار مثالیں پیش کی ہیں، وہ رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ مگر آج ہم دوسروں کے حقوق تو ادا نہیں کرتے البتہ اپنے حقوق کا جھنڈا اٹھائے رہتے ہیں۔ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی کوئی فکر نہیں کرتے، اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے مطالبات کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حقوق کے نام سے انجمنیں اور تنظیمیں بنائی جارہی ہیں، لیکن دنیا میں ایسی انجمنیں یا تحریکیں یا کوششیں موجود نہیں ہیں، جن میں یہ تعلیم دی جائے کہ دوسروں کے حقوق جو ہمارے ذمہ ہیں وہ ہم کیسے ادا کریں؟ شریعت اسلامیہ کا اصل مطالبہ یہی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی ذمہ داریوں یعنی دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے۔

والدین کے حقوق

قرآن وحدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنی عبادت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

احادیث میں بھی والدین کی فرمانبرداری کی خاص اہمیت وتاکید اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے، ماں باپ کی نافرمانی تو کجا، ناراضگی وناپسندیدگی کے اظہار اور جھڑکنے سے بھی روکا گیا ہے اور ادب کے

ساتھ نرم گفتگو کا حکم دیا گیا ہے۔

پوری زندگی والدین کے لئے دعا کرنے کا حکم ان کی اہمیت کو دوبالا کرتا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام نے والدین کے حقوق کچھ اس طرح تحریر فرمائے ہیں۔

دوران حیات حقوق: ان کا ادب واحترام کرنا۔ ان سے محبت کرنا۔ ان کی فرمانبرداری کرنا۔ ان کی خدمت کرنا۔ ان کو حتی الامکان آرام پہنچانا۔ ان کی ضروریات پوری کرنا۔ وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کرنا۔

بعد از وفات حقوق: ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور رحمت کی دعائیں کرنا۔ ان کی امانت وقرض ادا کرنا۔ ان کی جائز وصیت پر عمل کرنا۔ ان کی جانب سے ایسے اعمال کرنا جن کا ثواب ان تک پہنچے۔ ان کے رشتے دار، دوست ومتعلقین کی عزت کرنا۔ کبھی کبھی ان کی قبر پر جانا۔

اولاد کے حقوق

نیک اولاد والدین کے لیے عظیم نعمت ہے، اور اولاد نیک اس وقت ہوگی جب ان کی پرورش اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق کی جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ اپنی فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بچہ کا ذہن ودماغ کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے، اس کے والدین بچپن میں اس کے ذہن ودماغ پر جو نقش کردیتے ہیں اس کا اثر آخر عمر تک رہتا ہے۔

والدین کی چند ذمہ داریاں یعنی اولاد کے حقوق درج ذیل ہیں: بچہ کی ولادت کے وقت دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہنا۔ تحنیک، یعنی کھجور کو اچھی طرح چبا کر بچہ کے منہ میں ڈالنا اور مسوڑھوں پر رگڑنا۔ ساتویں دن عقیقہ کرنا، لڑکے کی ختنہ کرانا، سر کے بال کاٹ کر بالوں کے وزن کے بقدر چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کرنا اور اچھا نام رکھنا۔ اگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ کرسکے تو بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق اولاد کے تمام ضروری اخراجات برداشت کرنا۔ بچوں کی بہتر تعلیم وتربیت کرنا۔ والدین کے ذمہ یہ ایک ایسا حق ہے جسے اگر والدین نے صحیح طریقہ سے ادا کیا تو اس کے ذریعہ ایک اچھی نسل کی بنیاد پڑے گی اور اگر اس حق میں ذرا بھی کوتاہی اور غفلت برتی گئی تو پھر نہ جانے اس کا خمیازہ آنے والی کتنی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔

اولاد کی تعلیم وتربیت یقیناً ایک بڑا ہی اہم اور نازک مسئلہ ہے، جسے بڑی ہی دانشمندی اور ہوشیاری سے

انجام دینا چاہیے۔ اولاد کی تعلیم وتربیت میں ابتدائی دنوں میں تو ماں کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، لیکن بچہ کی بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ وہ ذمہ داری باپ کی جانب منتقل ہوتی جاتی ہے۔ تعلیم وتربیت کے بعد والدین کے ذمہ اولاد کا آخری اور اہم حق ان کی شادی کا رہتا ہے۔ شادی کے تعلق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں لڑکے اور لڑکی کے انتخاب میں دینداری اور شرافت کو ترجیح دینی چاہئے۔

پڑوسیوں کے حقوق

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دُور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے ہوئے) شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں (یعنی ماتحتوں) کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ کرو)۔ بیشک اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ النساء ۳۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی ہے خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں اور مسلمان ہوں یا نہ ہوں، غرضیکہ پڑوسی ہونے کی بنیاد پر ہر شخص کا خیال رکھنا ہماری دینی واخلاقی ذمہ داری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کثرت سے پڑوسیوں کے بارے میں احکام لے کر آتے تھے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں پڑوسی کو وراثت میں حصہ دار نہ بنا دیا جائے۔ (ترمذی، البر والصلۃ)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (بخاری)

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کا خیال رکھے۔
(مسلم۔ باب الحث علی اکرام الجار)

رشتہ داروں کے حقوق

شریعت اسلامیہ میں انفرادی زندگی کے ساتھ سماجی زندگی کے احکام بھی بیان کیے گئے ہیں تاکہ سب کی مشترکہ کوششوں سے ایک اچھا معاشرہ بنے۔ لوگ ایک دوسرے کا احترام کریں، ایک دوسرے کے خوشی وغم

میں شریک ہوں اور جس کا جو حق ہے وہ ادا کیا جائے، والدین سے بھی کہا گیا کہ وہ اپنی اولاد کے حقوق ادا کریں، اسی طرح اولاد کو بھی تعلیم دی گئی کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں، میاں بیوی کے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنی اپنی ذمہ داریاں بحسن خوبی انجام دیں تا کہ زندگی کا پہیّہ صحیح سمت چلے، پڑوسیوں کا بھی مکمل خیال رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے حتی کہ کہا گیا ہے کہ پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے والا شخص کامل مؤمن نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق تمام رشتہ داروں کو ساتھ لے کر چلے۔

آج ہمارے معاشرہ میں یہ بیماری بہت عام ہوگئی ہے کہ معمولی معمولی بات پر رشتہ داروں سے قطع تعلق کرلیا جاتا ہے، حالانکہ ضرورت ہے کہ ہم رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں، ان کی خوشی وغمی میں شریک ہوں اور ان کے ساتھ احسان اور اچھا برتاؤ کریں۔

چنانچہ سورۃ النحل آیت ۹۰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

قطع رحمی کرنے والا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

دیگر احادیث کی روشنی میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ وہ اپنی سزا کاٹنے کے بعد ہی جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔
اسی طرح قرآن وحدیث میں رشتہ داروں کے معاشی حقوق پر بھی زور دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرمادیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔ (سورۃ البقرۃ ۲۱۵)

نیز نبی اکرم ﷺ نے غریب رشتہ داروں کی معاشی بحالی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ کمزور اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عام افراد پر صدقہ کرنے کے بجائے رشتہ داروں پر خرچ کو بھی ثواب کا ذریعہ ووسیلہ قرار دیا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

عام مسکین پر صدقہ سے تو ایک گنا ہی ثواب پائے گا لیکن اگر کوئی شخص غریب رشتہ دار کو صدقہ دیتا ہے تو اس کو دو گنا ثواب واجر ملے گا، ایک اجر تو صدقے کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔ (نسائی)

اخبارِ مظاہر

سانحۂ وفات

حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوریؒ

مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری

امین عام مظاہر علوم، سہارنپور

امت مسلمہ کے تمام دینی و اصلاحی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ اپنے وقت کے مشہور عالم دین اور صاحب ارشاد شخصیت حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری ۲۲رذی الحجہ ۱۴۴۳ھ/ ۲۲رجولائی ۲۰۲۲ء بروز جمعہ انتقال فرما گئے۔

اطلاع کے مطابق نماز جمعہ سے قبل آپ نے جمعہ کی تیاری کے لیے غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے اور چند ہی منٹ بعد فرشتہ اجل آپ کی روح پرواز کرنے کے لیے پہنچ گیا، اس موقع پر بے اختیار اہل تعلق کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے واقعہ وفات سے حددرجہ مشابہت یاد آ گئی کہ حضرت مولانا ندوی بھی نماز جمعہ کے لیے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔

مولانا ندوی اور مولانا سنسار پوری دونوں شیخ وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے خواص اور مجازین بیعت تھے، اس لیے یہ مشابہت اتفاقی نہیں بلکہ بہت معنی خیز ہے۔

مولانا سنسار پوری کے والد ماجد مولانا حکیم سید محمد اسحاق کو بھی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے نسبت اختصاص حاصل تھی، آپ نے تمام دینی تعلیم جامعہ مظاہر علوم میں حاصل کر کے شعبان ۱۳۴۱ھ/ اپریل ۱۹۲۳ء میں فراغت پائی۔ بخاری شریف آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی سے پڑھی تھی۔ اس لحاظ سے آپ حضرت مہاجر مدنی کے آخری دور کے تلامذہ میں شامل ہوئے۔

حصول تعلیم کے بعد تکمیل سلوک کی غرض سے جب آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو حضرت نے مشورہ دیا کہ رائے پور میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے اپنا ربط قائم کریں۔ چنانچہ آپ کو حضرت رائے پوری نے بیعت فرما کر

معمولات اور اذکار کی تلقین فرمائی، اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد خلافت واجازت بھی مرحمت فرمادی۔

۲؍صفر ۱۳۷۵ھ/ ۲۳؍ستمبر ۱۹۵۵ء بروز جمعہ مختصر علالت کے بعد آپ کی روح قفس عنصری سے ایسی حالت میں پرواز کرگئی کہ زبان پر ذکر الٰہی جاری تھا۔

حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین آپ ہی کے فرزند ارجمند اور خلف الرشید تھے جن کی ولادت رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ/ جنوری ۱۹۳۴ء میں قصبہ سنسار پور ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

حفظ قرآن پاک کے بعد پہلی محراب رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ/ اگست ۱۹۴۷ء میں سنائی بعد ازاں فارسی وعربی کی متعدد کتب اپنے والد ماجد سے پڑھ کر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں مختصر المعانی وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور درجہ بدرجہ درس نظامی کی تکمیل کرتے ہوئے شعبان ۱۳۷۱ھ/ مئی ۱۹۵۲ء میں جامعہ مظاہر علوم کے کبار اساتذہ مولانا عبداللطیف، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مولانا منظور احمد، مولانا مفتی سعید احمد اور مولانا اسعد اللہ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ بارہ سال کی عمر میں آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے دست مبارک پر بیعت ہوگئے تھے۔ پیر ومرشد کو آپ سے نہ صرف دلی لگاؤ تھا بلکہ گہری انسیت اور محبت تھی چنانچہ بلند الفاظ سے آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے اپنی وفات کے بعد اپنے ارادت مندوں کو آپ سے رجوع کرنے کا مشورہ بھی دیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”یہ مولانا مکرم حسین حضرت مولانا محمد اسحاق مرحوم کے صاحبزادہ ہیں، سید ہیں، عالم ہیں، نیک ہیں، ہم نے ان کو بیعت کی بھی اجازت دی ہے، ہمارے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کا پلہ پکڑ لینا اور اپنا اصلاحی تعلق ان سے قائم کرلینا۔

پوری زندگی آپ اپنے وطن قصبہ سنسار پور میں درس وتدریس، وعظ وتلقین اور ارشاد وسلوک میں مشغول رہ کر مدرسہ اور خانقاہ کے راستہ سے خلق خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔ فن طبابت میں بھی آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے جس طرح آپ کو مختلف صفات اور محامد حسن خلق تواضع کسر نفسی جود وسخاوت، صلح رحمی، شفقت علی الخلق سے مزین کیا تھا ایسے ہی حق پسندی اور حق گوئی بھی آپ میں ودیعت فرمائی، چنانچہ جب کبھی حق بات کہنے کی ضرورت پیش آئی تو بلا کسی خوف وخطر آپ نے حق کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس سلسلے کے متعدد واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ۱۹۷۷ء میں حکومت کی طرف سے جب نس بندی کے مسئلے پر ظلم وتعدی کی حد ہوگئی، تذبذب وتذلذل اور خوف وہراس پورے ماحول پر چھا گیا تو آپ نے بڑی

استقامت اور مضبوطی کے ساتھ اپنے اہل تعلق اور علاقے والوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ اس موقع پر خوب توبہ واستغفار کرتے ہوئے دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو آزمائش وابتلاء میں مبتلا نہ فرمائیں۔

اور پھر بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ اگر خدانخواستہ یہ عاقبت نااندیش حاکم باز نہ آئے اور ہمارے دین حق سے کھلواڑ کیا تو ان شاء اللہ سر پر کفن باندھ کر میدان میں اتریں گے اور جام شہادت نوش کریں گے۔ جب تک دین حق کو سر بلندی نصنیب نہ ہوجائے۔

حضرت حکیم صاحب موصوف کے اس ایمانی جوش وشجاعت سے بھر پور الفاظ سن کر سامعین کے ایمان ویقین میں پختگی آ گئی اور پھر چند روز بعد حکومت بھی بدل گئی۔

جامعہ مظاہر علوم کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں اس کی مجلس شوریٰ میں اپنے اپنے وقت کے عارفین وصالحین کی اکثریت اور ان کا باوقار دبدبہ رہا ہے، اس تاریخی تسلسل اور عملی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ...... چند سال قبل حضرت مولانا مکرم حسین موصوف کا انتخاب بھی بحیثیت رکن شوریٰ عمل میں آیا، آپ اپنے گوناگوں اعذار اور طبعی موانع کے باوجود بہت فکر واہتمام کے ساتھ شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لاتے رہے۔

آپ کے اخلاف میں جناب حافظ مزین حسین مع دیگر برادران اور مولوی محمد عزیز مع برادران موجود ہیں، اور سب ماشاء اللہ نیک اطوار اور صالح طبیعت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو حضرت حکیم صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ آپ کے قائم کردہ مدارس، خانقاہوں اور دینی مجالس ومحافل کی بہترین آبیاری فرمائے، اور حفاظت فرما کر دینی ودنیوی ترقیات سے ہمکنار فرمائے۔

یہ احقر ان سطور کے ذریعہ اپنی اور جامعہ مظاہر علوم کی جانب سے تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

واقعات الفتاویٰ

فتاوی مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

ماہ محرم اور سالِ نو کی مبارکباد

ماہ محرم الحرام سے نئے اسلامی سال کی ابتداء ہوتی ہے، ادھر کچھ سالوں سے اس موقعہ پر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے کا رواج بڑھ گیا ہے، بالخصوص شوشل میڈیا پر سال نو کی مبارکبادی کے پیغامات کا کثرت کے ساتھ تبادلہ ہوتا ہے، اسلامی سالِ نو کی مبارکبادی کا یہ رواج ومعمول حضرات صحابہ، تابعین عظام اور سلف صالحین کے دور میں نہیں تھا، اور اب جس طرح اس کا رواج واہتمام ہونے لگا ہے خطرہ ہے کہ یہ بدعت کی شکل نہ اختیار کرلے اس لئے اس سے اجتناب وپرہیز ضروری ہے: عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ (مشکوۃ ص ۲۷)

ماہ محرم اور ماتم

ماہ محرم الحرام میں شیعہ فرقہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا ماتم کرتا ہے اور مختلف طریقوں سے ان کا سوگ مناتا ہے، ان کے نام پر جلسے وجلوس اور مجالس عزاء منعقد کرتا ہے۔ یہ سب رسومات وبدعات ہیں، جن کا دین اسلام اور شریعت مصطفویہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے ان امور کا ارتکاب جائز نہیں ہے، اور ایسی مجالس میں شرکت کرنا اور اس طرح کے جلسے جلوس کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ حضرات اکابر نے ماہ محرم میں حضرت حسینؓ کے قصۂ شہادت کے بیان اور سیاہ لباس کے پہننے سے بھی منع فرمایا ہے، تاکہ ماتم اور سوگ کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ ۵ / ۲۶۲، فتاوی محمودیہ ۳ / ۲۶۶)

ماہ محرم میں شادی سے احتراز

ماہ محرم میں بہت سے لوگ شادی سے گریز کرتے ہیں، جس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اس ماہ کو ماتم وسوگ کا مہینہ خیال کرتے ہیں چونکہ ماہ محرم میں ماتم اور سوگ کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس

لئے اس بنیاد پر اس ماہ میں نکاح وشادی سے احتراز وگریز شرعاً درست نہیں ہے۔

یوم عاشورہ کا روزہ

یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ شروع اسلام میں فرض تھا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت ختم ہوگئی، مگر اس کے بعد بھی آپ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھنے کا معمول برقرار رکھا، لہٰذا یہ روزہ رکھنا بھی مسنون ومستحب ہے اور تنہا عاشورہ کا روزہ رکھ لینے سے یہ سنت و استحباب ادا ہوجائے گا۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سال میں اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ آئندہ سال دسویں تاریخ کے ساتھ ایک روزہ اور شامل کروں گا، تا کہ یہود کی مخالفت ہوجائے، جو صرف عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر نے وفاء نہیں کی اور آئندہ سال عاشورہ آنے سے قبل ہی آپ کی وفات ہوگئی۔ اس لئے آپ کی اس خواہش وتمنا کے مطابق افضل واولیٰ یہ ہے کہ عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور شامل کرلیا جائے تا کہ آپ کے معمول کی اتباع کے ساتھ آپ کی منشاء کی بھی تکمیل ہوجائے، اور سب سے افضل یہ ہے کہ ۹–۱۰–۱۱ تینوں تاریخوں کا روزہ رکھا جائے ۔و حاصل الشريعة أن الأفضل صوم عاشوراء و صوم يوم قبله و بعده ، ثم الأدون منه صوم عاشوراء مع صوم يوم قبله أو بعده ،ثم الأدون صوم عاشوراء فقط ، و الثلاثة عبادات عظمىٰ ، وأما مافى الدر المختار من كراهة صوم عاشوراء منفرداً تنزيهاً فلا بد من التأويل فيه اى أنها عبادة مفضَّلة من القسمين الباقيين و لا يحكم بكراهة فإنه عليه الصلوٰة و السلام صام مدة عمره صوم عاشوراء منفرداًو تمنىٰ إن لو بقي إلى المستقبل صام يوماً معه (العرف الشذی علی سنن الترمذی للعلامہ انور شاہ کشمیری ۲/۱۷۷)

یوم عاشورہ کو اہلِ خانہ پر وسعت وفراخی

احادیث مبارکہ میں یوم عاشورہ میں اہل خانہ پر کھانے پینے میں وسعت وفراخی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس دن اہل خانہ پر وسعت کرنے سے اللہ تعالیٰ سال بھر وسعت وفراخی فرماتا ہے'' متعدد صحابہ کرام سے یہ احادیث مروی ہیں اور علامہ قرافی مالکیؒ نے ایک مستقل رسالہ میں ان کو جمع کیا ہے اس لئے یوم عاشورہ میں اہل خانہ کے لئے وسعت وفراخی کا یہ عمل احادیث سے ثابت ہے اور اکابر واسلاف بھی اس کا

اہتمام فرمایا کرتے تھے، لہٰذا ہر شخص کیلئے اپنی استطاعت وذوق کے لحاظ سے یوم عاشورہ میں گھروالوں کے لئے کھانے پینے میں کشادگی کرنااس دن کے روزہ کی طرح مسنون ومستحب ہے البتہ یہ ایک انفرادی عمل ہے اس لئے اس موقع پر اجتماعی دعوت وتقریب کا اہتمام حدّ اعتدال سے تجاوز کہلائے گا۔(الدرالمختار ۲/ ۴۱۸)

مسجد کی رقم سے اصلاحی پروگرام منعقد کرنا

مسجد کی رقم مسجد اور مصالح مسجد کے لئے ہوتی ہے، اس لئے مسجد کی رقم کو اس قسم کے پروگرام کے انعقاد میں صرف کرنا درست نہیں ہے: لان مراعاة غرض الواقفين واجبة۔(شامی،کتاب الوقف)

مسجد کے غسل خانے اور بیت الخلاء کا عمومی استعمال

مسجد کے غسل خانے اور بیت الخلاء نمازیوں کی سہولت کے غرض سے بنائے جاتے ہیں، اس لئے محلہ والوں اور دیگر مقیم افراد کے لئے ان کا عمومی استعمال شرعاً درست نہیں ہے۔(حوالا بالہ)

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں استعمال کرنا

ایک مسجد کا سامان مثلاً صفیں دوسری مسجد میں استعمال کرنا خواہ عارضی طور پر ہو شرعاً جائز نہیں ہے۔(حوالہ بالا)

ایک مسجد کی فاضل رقم سے دوسری مسجد تعمیر کرنا

کسی مسجد کی اگر اتنی فاضل آمدنی جمع ہوجائے کہ اس سے ایک اور مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے، تو ازروئے شرع اس کا حکم یہ ہے کہ:

(الف) اگر وہ فاضل آمدنی مسجد کے اوقاف کی ہو تو اس سے دوسری مسجد کی تعمیر درست نہیں ہے، بلکہ اس مسجد کے مصارف کے لئے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

(ب) اور اگر وہ فاضل آمدنی لوگوں کے چندہ سے حاصل شدہ ہو تو پھر اس سے دوسری مسجد کی تعمیر چندہ دہندگان کی منشاء پر موقوف ہوگی، اگر وہ اس کی اجازت دیدیں تو ایسا کرنا درست ہے اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو پھر درست نہیں ہے(حوالہ بالا)

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR







Rs. 30/

MADRASA MAZAHIR ULOOM